شعروادب

یہی وہ خاک ہے جس خاک کو خاکِ شفا کہیے

.....مولانا ماہر القادری مرحوم

رسولِ مجتبیٰ کہئے محمد مصطفیٰ کہیے
خدا کے بعد بس وہ ہیں پھر اس کے بعد کیا کہیے

شریعت کا ہے یہ اصرار ختم الانبیاء کہیے
محبت کا تقاضا ہے کہ محبوبِ خدا کہیے

جبین و رخ محمدؐ کے تجلی ہی تجلی ہیں
کسے شمس الضحیٰ کہئے کسے بدر الدجیٰ کہیے

جب ان کا ذکر ہو دنیا سراپا گوش بن جائے
جب ان کا نام آئے مرحبا صلّ علیٰ کہیے

غبارِ راہِ طیبہ سرمۂ چشم بصیرت ہے
یہی وہ خاک ہے جس خاک کو خاکِ شفا کہیے

صداقت پر بنا رکھی گئی ہے دینِ فطرت کی
اسی تعبیر کو انسانیت کا ارتقاء کہیے

مرے سرکار کے نقش قدم شمعِ ہدایت ہیں
یہ وہ منزل ہے جس کو مغفرت کا راستہ کہیے

محمدؐ کی نبوت دائرہ ہے جلوۂ حق کا
اسی کو ابتداء کہئے اسی کو انتہا کہیے

مدینہ یاد آتا ہے تو پھر آنسو نہیں رکتے
مری آنکھوں کو ماہرؔ چشمۂ آبِ بقا کہیے

☆☆☆☆☆

اداریہ

ایمان کا تقاضا

● ....شمس الحق ندوی

ہر مسلمان کا یہ ایمان وعقیدہ ہے کہ اس کائنات کی خالق ومالک اور اس کو چلانے والی بس ایک ہی ذات ہے، وہ کسی کی محتاج نہیں، پوری کائنات پر اسی کا حکم چلتا ہے، وہ ان میں سے کسی کا محتاج نہیں، سب کے سب اسی کے محتاج ہیں، وہ ہر چیز کو جانتا ہے اور ہر ہر عمل وحرکت کی پوری خبر رکھتا ہے، کسی آن اور کسی لمحہ بھی وہ ان سے غافل و بے خبر نہیں ہوتا۔

ایسے ہی مسلمان یہ ایمان ویقین رکھتا ہے کہ ایک دن ایسا بھی آ کے رہے گا جب یہ پورا عالم مٹا دیا جائے گا، اور ہر شخص کو اس کے اچھے یا برے عمل کا بدلہ دیا جائے گا، وہ پورا یقین رکھتے ہیں کہ قرآن کریم خدا کی سچی کتاب ہے، اس میں ذرا بھی شک نہیں "ذَالِكَ الْكِتَابُ لَارَيْبَ فِيْهِ" اس کتاب کو لانے والے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے سچے اور آخری رسول ہیں، انھوں نے جو خبر دی اور جو کچھ بتایا، سب سچ ہے، اس کے خلاف جو کچھ بھی کہا یا بتایا جائے، سراسر جھوٹ اور غلط ہے، ایک عام اور بے پڑھے لکھے مسلمان کا بھی یہی ایمان عقیدہ ہوتا ہے، اور وہ اپنے غلط عمل پر خدا کی پکڑ سے ڈرتا رہتا ہے، غلطی کر کے پچھتاتا اور شرماتا ہے، اپنے اس ایمان وعقیدہ کے سامنے وہ اپنی قوم وملت کے مفاد کے خلاف بڑی سے بڑی پیش کش کو ٹھکرا دیتا ہے، اس لیے کہ اسے معلوم ہے کہ اگر ہم نے اس وقت اپنے دین اور قوم سے غداری کر کے کوئی دنیاوی فائدہ اٹھالیا تو آخرت کی ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی میں اس کی سخت سزا ملے گی اور تلافی کی ساری راہیں بند ہو چکی ہوں گی، جو مسلمان نفس وشیطان کا شکار ہو کر قوم وملت کے خلاف کوئی کام کر لیتا ہے، وہ عملی منافق ہوتا ہے، آخرت میں اس کو اس کی جو سزا ملے گی، وہ تو ملے گی ہی، اس دنیا میں بھی وہ بڑی ذلت وحقارت کی نظر سے دیکھا جائے گا۔

ہمیں ان سطروں کے لکھنے کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ مسلمانوں میں ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو موجودہ مادہ پرستانہ ذہنیت سے متاثر ہو کر معمولی سے فائدہ کے لیے خواہ مال ودولت کی شکل میں ہو یا عہدہ ومنصب کی صورت میں ہو، اس پر دین وملت کے مفاد کو قربان کر دیتا ہے، تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جن لوگوں نے بھی اپنے معمولی سے فائدہ کے لیے قوم وملت کو نظر انداز کیا، وہ ہمیشہ حقارت کی نظر سے دیکھے جاتے رہے ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں کہ امت مسلمہ مختلف فرقوں میں بٹ گئی ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا مانگی کہ اے اللہ! ہماری امت میں فرقے نہ پیدا ہوں، آپؐ کی یہ دعا قبول نہیں ہوئی، اور امت بہت سے فرقوں میں بٹ گئی جس کی حکمت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، بظاہر ایک حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ فرقوں سے ہٹ کر مسلمان قرآن وطریقۂ رسولؐ کو اپنا آئیڈیل اور نمونہ بنائیں۔

اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ پوری اسلامی تاریخ میں ایک دن بھی ایسا نہیں گذرا کہ امت عمومی طور پر کسی گمراہی کا شکار ہوگئی، حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "لا تجتمع أمتي على ضلالة" ہماری امت کسی گمراہی پر نہیں متفق ہو سکتی۔

دین اسلام اس سے پوری طرح محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا اور "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ" کا خدائی اعلان اپنا جلوہ دکھاتا رہے گا، اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فرقوں کی اس کثرت میں کدھر جائیں، اپنی نفس پرستی اور حرص وہوس کا شکار ہو کر اگر کوئی غلط راہ پر جائے تو کل قیامت کے دن کوئی عذر نہیں پیش کر سکتا۔

اسی لیے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نفس کے شر سے پناہ مانگی ہے: "اللّٰھم إني أعوذبك من شر نفسي" ، اس لیے کہ نفس کا شر طرح طرح کی تاویلات کا دروازہ کھول دیتا ہے، اور یہ تاویلات، ضلالت وگمراہی کی راہ پر اس طرح ڈال دیتی ہیں کہ ان سے نکلنا مشکل ہوتا ہے، اس لیے دین اور اپنی نفسانیت کا برابر جائزہ لیتے رہنا چاہیے کہ ع

ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنالیتی ہیں تصویریں

اس مناسبت سے ہم امام غزالیؒ کا ''نفس سے خطاب'' نقل کردینا کافی سمجھتے ہیں:

''اے نفس! انصاف کر، اگر ایک یہودی تجھ سے کہہ دیتا ہے کہ فلاں لذیذ کھانا تیرے لیے مضر ہے تو تو صبر کرتا ہے، اور اسے چھوڑ دیتا ہے، اور اس کی خاطر تکلیف اٹھاتا ہے، کیا انبیاء کا قول جس کو معجزات کی تائید حاصل ہوتی ہے اور فرمان الٰہی اور صحف سماوی کا مضمون تیرے لیے اس سے بھی کم اثر رکھتا ہے جتنا کہ اس یہودی کا ایک قیاس و اندازہ، عقل کی کمی اور علم کی کمی اور کوتاہی کے ساتھ، تجھ پر تعجب ہے اگر کوئی بچہ کہتا ہے کہ تیرے کپڑے میں بچھو ہے، تو بغیر دلیل طلب کیے اور سوچے سمجھے اپنے کپڑے اتار پھینکتا ہے، کیا انبیاء، علماء اور اولیاء وحکماء کی متفقہ بات تیرے نزدیک اس بچہ کی بات سے بھی کم وقعت رکھتی ہے؟ جہنم کی آگ، اس کی بیڑیاں، اس کے گرز، اس کا عذاب، اس کا زقوم اور اس کے آنکڑے، اس کے سانپ، بچھو، زہریلی چیزیں تیرے لیے ایک بچھو سے بھی کم تکلیف دہ ہیں جس بچھو کی تکلیف زیادہ سے زیادہ ایک دن یا اس سے کم رہتی ہے، یہ عقلمندوں کا شیوہ نہیں، اگر کہیں بہائم کو تیری حالت کا علم ہوجائے تو تجھ پر ہنسیں اور تیری نادانی کا مذاق اڑائیں، پس اگر اے نفس! تجھ کو یہ سب چیزیں معلوم ہیں، اور ان پر تیرا ایمان ہے، تو کیا بات ہے کہ عمل میں تساہل اور ٹال مٹول سے کام لیتا ہے، حالانکہ موت کمین گاہ میں منتظر ہے کہ وہ بغیر مہلت کے تجھے اچک لے، اللّٰھم احفظنا من شرور أنفسنا''۔

☆☆☆☆☆

روہنگیا مسلمانوں کیساتھ ہمدردی کی ضرورت

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

روہنگیا مسلمانوں کے ساتھ برما میں ظلم وسفاکی کے جو حالات پیش آرہے ہیں، ان کو دیکھتے ہوئے ہر انسانی جذبہ رکھنے والے شخص کا تکلیف محسوس کرنا اور اس ظلم وسفاکی کو روکنے کے لیے آواز بلند کرنا؛ بلکہ اپنے اثرات کو استعمال کرنا بالکل فطری تقاضہ ہے اور الحمدللہ اس کے لیے ہر چہار طرف سے آواز اٹھائی جارہی ہے، ان میں ہمارے ملک کے مسلمان اور غیر مسلمان بھی ہیں اور بعض اسلامی ملک تو اپنے حکومتی اثرات سے بھی بھرپور کام لے رہے ہیں، اس میں ہمارے ملک کو بھی اپنی انسانی ہمدردی کا ثبوت دینا چاہیے اور برما حکومت پر یہ دباو ڈالنا چاہیے کہ وہ ان مظلوموں کو غیر شہری کا شبہ دے کر ملک سے نکالنے اور ان کو مارنے اور ان کی بستیوں میں آگ لگادینے کے سخت ظالمانہ عمل کو روکے اور خاص طور پر جبکہ دنیا کے متعدد ملکوں میں باہر کے لوگوں کی خاصی تعداد وہاں کے شہری ہیں، مثلاً امریکہ میں، کناڈا میں، آسٹریلیا میں اور جنوبی افریقہ اور برطانیہ میں دوسرے ملکوں کے لوگوں کی خاصی تعداد پائی جاتی ہے اور وہاں ان کے ساتھ ہمدردانہ رویہ بھی اختیار کیا جاتا ہے اور کہیں ظلم ہورہا ہو تو عالمی میڈیا بھی ہمدردی کرتا ہے، اور قتل اور علاقہ کی بربادی تو بہت سخت زیادتی کی بات ہے۔

سابق زمانہ میں حکومت کا نظام بادشاہی ہوتا تھا، اور اس کے ماتحت اس کی قوم اسی کے مذہب یا فرقہ کی ہوتی تھی، اس میں بادشاہ جو چاہے وہ کرتا اور کرسکتا تھا، لیکن دنیا میں اب جمہوریت اور سب کے ساتھ مساوات کا نظام ہے، اور اس کا مزاج بین الاقوامیت کا ہوگیا ہے، اور اس میں اپنے اور غیر کے تصور کو اچھا نہیں سمجھا جاتا، چنانچہ دنیا کے بڑے ملکوں کے شہریوں میں اشتراک اور یک جہتی پائی جاتی ہے جو انسانیت کی قدروں کے مطابق ہے، ظلم جہاں بھی ہو اس کو روکنا اور منع کرنا ضروری ہے، اس کی ضرورت ہر ایک ملک اور قوم کو ہوسکتی ہے، ہر جگہ انسانی آبادی کے اصناف متعدد ہوسکتے ہیں، اکثریت اور اقلیت دونوں ہوتی ہیں، لہٰذا انسانی مساوات وہمدردی کا طریقہ سب کو اختیار کرنا چاہیے۔

لہٰذا پڑوسی ملکوں کو انسانی ہمدردی کے دائرہ میں برما میں ہورہے ظلم کو روکنا چاہیے، یہ خوشی کی بات ہے کہ اس موقع پر عالمی سطح پر مذمت اور احتجاج کیا گیا ہے، یہ ہم سب کا فریضہ ہے، دعا ہے کہ روہنگیائی مسلمانوں کو اس ظلم وبربریت سے جلد نجات ملے، آمین۔ ☆☆☆

ایمان وعقیدہ

خدائے واحد و برتر

.....حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

"قُلْ إِنَّمَا يُوحَى إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَهَلْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ،فَإِن تَوَلَّوْا فَقُلْ آذَنتُكُمْ عَلَى سَوَاءٍ وَإِنْ أَدْرِي أَقَرِيبٌ أَم بَعِيدٌ مَّا تُوعَدُونَ،إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ،وَإِنْ أَدْرِي لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَى حِينٍ،قَالَ رَبِّ احْكُم بِالْحَقِّ وَرَبُّنَا الرَّحْمَٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ".

[الأنبیاء:۱۰۸-۱۱۲]

(آپ کہہ دیجیے کہ مجھے یہ وحی ہوئی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے،تو کیا تم تسلیم کرتے ہو،لیکن اگر وہ بھاگیں تو کہہ دیجیے تم سب کو برابر میں نے آگاہ کردیا البتہ میں یہ نہیں جانتا کہ یہ موقع جلدی آئے گا یا دیر میں، بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری ہر ڈھکی چھپی بات سے واقف ہے،اور میں یہ بھی نہیں بتاسکتا کہ تمہیں کس چیز میں اللہ تعالیٰ نے آزمائش میں ڈالا ہے اور کس چیز میں تم کو وقتی طور پر فائدہ عطا فرمایا ہے،انہوں نے کہا:اے میرے پروردگار! جو حق بات ہے اس کا فیصلہ فرمادے اور ہمارا رب رحمان ہے اسی سے ہم مدد چاہتے ہیں، ان باتوں پر جو تم اپنے منہ سے کہتے ہو)۔

مذکورہ آیات میں نبی کی بات کی اہمیت بتاتے ہوئے فرمایا کہ اے نبی ﷺ! یہ کہہ دیجئے کہ میں جو کچھ تم کو بتارہا ہوں،تم سے کہہ رہا ہوں، وہ اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں، وہ کوئی انسانی بات نہیں ہے، ایسا نہیں ہے کہ آپ یہ اعتراض کریں کہ تم میں اور ہم میں کیا فرق ہے، ہم بھی اتنی ہی عقل رکھتے ہیں جیسی آپ رکھتے ہیں، جیسے آپ انسان ہیں، ویسے ہی ہم بھی انسان ہیں،تو آپ کی بات ہماری بات سے کیسے بہتر ہوسکتی ہے، ہم کوئی بے وقوف نہیں ہیں، ہم بھی خوب سمجھتے ہیں،اسی لیے تاکید کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ آپ یہ کہہ دیجیے کہ ہماری بات صرف انسانی بات نہیں ہے، بلکہ یہ اوپر سے آئی ہے،اور یہ اللہ تعالیٰ کی بات ہے جو ہم پہنچارہے ہیں،لہٰذا تم اس کو ایسے نہ سنو جیسے انسان کی بات سنتے ہو،اگر تم انسان سمجھ کر ہماری بات سنو گے تو یقیناً یہی سوچو گے کہ ہماری اور ان کی سوچ میں کیا فرق ہوسکتا ہے،اسی لیے وضاحت سے فرمادیا گیا کہ یہ جو کچھ بھی ہم کہہ رہے ہیں، یہ حقیقت میں ہمارے پاس اوپر سے بھیجا گیا ہے،اور ہمارے کہنے میں پہلی بات یہ ہے کہ ساری مخلوق کا ایک ہی خدا ہے، ہماری تمام باتوں کی یہی پہلی بات بنیاد ہے،اسی پر ساری عمارت کھڑی ہے، کیونکہ جب تم خدا کو مانو گے کہ ایک ہی خدا ہے،تو تمہیں ایک ہی خدا کی پرستش بھی کرنی ہوگی، پھر اس کا جو پیغام ہے اس کو بھی ماننا پڑے گا،لیکن اگر تم متعدد خدا بناؤ گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ کوئی اس کے پیچھے جارہا ہے کوئی اس کے پیچھے جارہا ہے، اور اس طرح تمام انسان بٹ جائیں گے،اس حقیقت کو پیش کرنے کے بعد سوالیہ انداز میں یہ معلوم کیا گیا کہ کیا تم اس بات کو تسلیم کرتے ہو اور کیا تم اس بات پر اسلام لاتے ہو۔

اس کے بعد اسی پر اکتفا نہیں ہوا بلکہ دوٹوک انداز میں یہ بھی کہہ دیا گیا کہ اگر یہ لوگ بھاگیں گے،اور آپ کی بات سننے کو تیار نہ ہوں گے تو آپ کہہ دیجیے کہ ابھی ہم پوری طرح بات کو پھیلا کر تمہیں اطلاع دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تم پر گرفت ہوگی،البتہ یہ نہیں بتایا جاسکتا کہ اس کا موقع جلدی آئے گا یا دیر میں آئے گا،لیکن یہ ضرور تم سے وعدہ کیا جارہا ہے کہ نافرمانوں کو جہنم میں جانا ہوگا،اور فرماں بردار جنت میں جائیں گے۔

اس سے اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کو بتاتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ زور والی بات اور جو بات چھپا کر کی جاتی ہے سب جانتا ہے،تم جو کچھ کرتے ہو یا کروگے وہ اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہے،لہٰذا یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ جو تم کھل کر ظاہر کر کے کررہے ہو،اللہ تعالیٰ کو وہی معلوم ہے، بلکہ اس کو وہ بھی معلوم ہے جو تم چھپاتے ہو۔

اخیر آیت میں اہل ایمان کو نبی ﷺ کی زبانی یہ دعوت دی گئی کہ وہ ہر طرح کے حالات میں اپنے پروردگار کے حضور دعا گو رہیں،فرمایا گیا کہ نبی ﷺ نے کہا کہ اے پروردگار! جو بات حق ہے اس کا فیصلہ فرمادے اور اس کا حکم فرمادے، ہمارا رب تو وہ رحمان ہی ہے، اسی سے ہم مدد چاہتے ہیں، ان باتوں پر جو تم انکاری لوگ اپنے منہ سے کہتے ہو، اور تم جو طرح طرح کی باتیں دین کے خلاف بیان کرتے ہو، اس میں ہم کچھ نہیں کرسکتے، ہم اللہ تعالیٰ ہی سے مدد چاہتے ہیں کہ وہ ان باتوں کا حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے۔

☆☆☆☆☆

حالات حاضرہ

چار طبقات اور انسانی زندگی پر ان کے اثرات

● .....مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

آج مسلمانوں کو دینی اور اعتقادی بیداری کی سخت ضرورت ہے، اس وقت ان کی عمومی تعداد ایک ہزار پانچ سو ملین سے متجاوز ہے، ان کے پاس بڑے بڑے ممالک بھی ہیں اور حکومتیں بھی، ان کے پاس عالمی تنظیمیں بھی ہیں اور بین الاقوامی یونیورسیٹیاں بھی، عالمی برادری میں ان کا ایک مقام ہے، اور ان کو وہاں کی رکنیت بھی حاصل ہے، وہ فطری وسائل و ذخائر سے مالا مال بھی ہیں، اور وسیع جغرافیائی رقبہ بھی ان کے پاس ہے، ان کی ایک بڑی تعداد تعلیم یافتہ بھی ہے، اور علوم و معارف میں ممتاز بھی، اور وہ معاشرتی اور حکومتی فیصلوں میں اہم اور تنقیدی رائے بھی رکھتے ہیں۔

اسی طرح ان کے پاس ایسے علمائے اسلام اور مصلحین قوم وملت بھی ہیں، جو حقیقت اسلام کی ترجمانی کرتے ہیں، اور اچھی تربیت سے آراستہ ہونے اور انسانی زندگی کو علم وحکمت کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں، اور پوری امت کو ایک جان دو قالب ہونے کی تلقین کرتے ہیں، کیونکہ یہ امت زندگی اور معاشرہ کے ہر شعبہ میں اعتدال کی نمائندہ ہیں، اور شر انگیز افراد کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "وَكَذَالِكَ جَعَلْنَا كُمْ أُمَّةً وَّسَطاً لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْداً" [بقرہ: ۱۴۳] (اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک معتدل امت بنایا، تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول تمہارے اوپر)۔

لیکن اس وقت کا المیہ یہ ہے کہ امت مسلمہ اور اس کے افراد نہ ایک رائے رکھتے ہیں، اور نہ ایک صف میں متحد ہیں، بلکہ حقیقت حال یہ ہے کہ وہ پہلے سے ہی مختلف انواع واصناف میں منقسم ہیں، اور حالیہ واقعات کے تناظر میں مسلمانوں میں ایک صنف اور پیدا ہوگئی ہے، وہ خانماں بربادافراد کی ہے، اس کا سلسلہ خاص طور سے خونریز واقعات، اور ظالمانہ تشدد کے بعد ان کی نسل کشی کے ذریعہ شروع ہوا، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف کوئی خاص پلاننگ چل رہی ہو، وہ مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنا چاہتے ہیں، اور ان کو جانوروں سے بھی زیادہ بے حیثیت کرنا چاہتے ہیں، تاکہ مسلمان کسی انسانی بلندی کو نہ حاصل کرسکیں، اور ان کی اجتماعی نسل کشی ہوسکے اور دین اسلام اور اس کی بنیادی تعلیمات سے ان کو محروم کر دیا جائے، اس کے لیے نئے نئے سازشی طریقے استعمال کیے جارہے ہیں، کبھی ڈرا دھمکا کر، اور کبھی ان کا اقتصادی و معاشرتی بائیکاٹ کرکے، اس لیے مسلم معاشرہ میں متعدد قسم کے افراد ہیں:

۱- پہلا طبقہ ان علماء، دعاۃ اور مصلحین کا جو لوگوں کو سیرت وکردار کی روشنی میں اسلام کی دعوت دیتے ہیں، اس کی سب سے عمدہ مثال صحابہ کرامؓ ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستہ پر چلے، اور ہر چھوٹی بڑی چیز میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے کو اختیار کیا، قرآن میں انھیں لوگوں کے متعلق آیا ہے: "تَرَاهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً يَّبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَاناً، سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُوْدِ". [فتح:۲۹] (تم ان کو رکوع وسجدہ میں دیکھوگے، وہ اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی کے طالب ہیں، ان کی پیشانی پر سجدہ کے اثرات نظر آتے ہیں)۔

ان کی زندگی ایمان و اخلاص، توکل و پرہیزگاری، صبر وشکر، عدل وحکمت، جود وسخاء، حلم و بردباری، عفو ودرگزر، تواضع وانکساری، ایثار وقربانی، اخوت ومحبت، زہد وقناعت ہر قسم کے حقوق ادا کرنے، حسن معاملات، بھلائی کی وصیت کرنے، اور حسن ظن رکھنے، مساوات وغم خواری، نصیحت وامانت کی سچی آئینہ دار تھی، اس طرح کی تمام ایمانی صفات مسلمانوں کے اس اہل علم و دین کے طبقہ میں پائی جاتی تھیں، وہ اللہ والے تھے، اور لوگوں کو ایمان باللہ والرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی سکھاتے تھے، ان کے مراکز و مجالس سیکھنے والے مسلمانوں سے بھرے ہوتے تھے، وہ ان سے دین پر مکمل عمل کرنے پر بیعت کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ہر زمان ومکان میں ان کی مکمل حفاظت فرمائی ہے، اور ان کی سیرتیں ہمارے سامنے ہیں۔

۲- دوسرا طبقہ: ان علمائے دین کا ہے، جو تعلیم وتربیت کے راستہ سے اللہ کے پیغام کو

لوگوں تک پہنچانے کا اہتمام کرتے ہیں،وہ علمائے دین کے نام سے مشہور ہیں،وہ لوگوں کو زندگی کی حقیقت اوراس دنیامیں اس کا مقصد تخلیق بیان کرتے ہیں،اور اخروی زندگی اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں، بیشک علماء و معلمین اور تعلیم و تربیت کے میدان میں سرگرم عمل اوراللہ کی دعوت کو پھیلانے والا یہ طبقہ اللہ کا محبوب ہوتا ہے،اور اللہ نے اس طبقہ کووارثین انبیاء کا مقام عطا فرمایا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’علماء انبیاء کے وارث ہیں،اورانبیاء دینارودرہم کا وارث نہیں بناتے، بلکہ علم کا وارث بناتے ہیں، جس نے اس کو حاصل کیا،اس نے بڑی چیز حاصل کی‘‘۔

تعلیم وتربیت کے مراکز اس طبقہ کی توجہ کا مرکز ہوتے ہیں،وہ اعلی معیار پر علم ومعرفت کے مدارس اور اسلامی یونیورسیٹیاں قائم کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے ہیں،اس کے تعلیمی و تربیتی نصاب کو پڑھ کر بہت سے ایسے افراد تیار ہوتے ہیں،جو اعتدال اور جامعیت کا نمونہ ہوتے ہیں،وہ تعلیم و تربیت کی ذمہ داری سنبھالتے ہیں،تمام معاملات وحالات میں علم دین کوتوازن کے ساتھ پھیلاتے ہیں،اس کے باوجود اسلام مخالف طاقتیں معاشرۂ انسانی سے ان علمائے ربانیین کی قوت وتاثیر کو ختم کرنا چاہتی ہیں،اورمعاشرہ میں ان کے اثر ورسوخ کو کمزور کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتی،وہ تو صرف اس سے خوش ہوتی ہیں کہ نوجوان مسلمان تعلیم وتربیت سے یکسر خالی ہوں،لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے ناکامی ونامرادی خودان طاقتوں کے مقدر میں لکھ دی ہے، کیونکہ انھیں یہ معلوم ہے کہ اگر مسلمان علمی ہتھیار سے خالی ہوں گے تو ان کی ایمانی ہیبت کو ختم کرنا اوراس کی قوت تاثیر کو زائل کرنا،جس سے ہر وہ موقع پر دوسرے سے ممتاز ہوتے ہیں،اوراسلام اور اس کی تعلیمات کے خلاف رجحانات کو تبدیل کرنا آسان ہوجائے گا،ان علماء کا مشن ہے کہ تمام مسلمانوں کو علم نافع حاصل کرنے پر بہت زور دیتے ہیں،اور ان کے سامنے علم حاصل کرنے کے فضائل بیان کرتے ہیں،اور یہ بتاتے ہیں کہ فرشتے اپنے پروں کو طالبان علوم نبوت کے لیے بچھا دیتے ہیں،اس کام سے خوش ہوکر جس میں وہ مشغول ہیں، ان کا یقین ہے کہ آسمان وزمین کے انعامات تعلیم اور دینی رہنمائی کی انجام دینے میں مضمر ہیں،اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ممتاز طبقہ مسلم معاشرہ کوایسی خصوصیت سے نوازتا ہے،جس کی برابری کسی چیز میں نہیں،اللہ کا ارشاد ہے:’’يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ أُوْتُوْا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ‘‘[مجادلہ:۱۱](اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان والوں کو اور اہل علم کو بلند درجات عطا فرماتا ہے)،یہ اللہ کا قانون ہے کہ اس طبقہ علماء کی سرگرمیوں کو روکنے میں ان کی کوششیں کبھی کامیاب نہیں ہوں گی، انشاء اللہ تعالیٰ۔

۳-تیسرا طبقہ:ان عام مسلمانوں کا ہے جو مسلم معاشرہ اور انسانی مجموعہ کے مابین زندگی گذارتے ہیں،وہ اکثر حالات میں اسلام کی سنی اور دیکھی ہوئی معلومات پر اکتفاء کرتے ہیں، مزید اسلام اوراس کی تعلیمات کو جاننے کی بالکل کوشش نہیں کرتے،ان میں ایک تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہوتی ہے،جو دینی احکام کی واقفیت میں اضافہ کی سچی طلب رکھتے ہیں،لہٰذا وہ علماء کا احترام کرتے ہیں،اور وقتاً فوقتاً ان مجلسوں میں حاضر ہوتے ہیں،اور دینی تربیت کی بنیاد پر ان سے تعلق رکھتے ہیں،اور وہ کوشش کرتے ہیں کہ جتنا انہوں نے علم سیکھا ہے،اس کی روشنی میں اسلام کی نمائندگی کریں،کبھی کبھی ان کا دینی عمل بعض ظاہری شکل پر ہی منحصر ہوتا ہے،ان کے ذہن وخیال میں یہ بات نہیں آتی کہ اللہ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس پر کیا حقوق عائد ہوتے ہیں،اسی طرح سے بندہ اور مالک کے حقوق،اور وہ نفلی کام اور دینی شعائر کی تعظیم کو کوئی اہمیت نہیں دیتے، بلکہ وہ ایک خاص طرز کی زندگی پر اکتفا کرتے ہیں اوراس سے اوپر کسی بات کو نہیں سمجھتے۔

۴-چوتھا طبقہ:ان پڑھوں اور امی افراد کا ہے،جو ایسے ماحول میں زندگی گذارتے ہیں، جہاں کے لوگ چند دینی رسومات ہی کو دین سمجھتے ہیں،اور اپنی دینی و اخلاقی ذمہ داریوں سے بالکل لاشعور ہوتے ہیں،ان کی صورتحال ان طبقات سے مختلف نہیں ہے،جو تمام انسانی صفات سے آزاد ہوتے ہیں، بلاشبہ یہ طبقہ صرف لفظ اسلام کے ساتھ زندگی گذارتا ہے، اور وہ ایسے کام کرتا ہے،،جن کا انسانیت سے ذرہ برابر بھی تعلق نہیں ہوتا،انسانی قدروں کا شعور بھی ان کے اندر نہیں ہوتا،اور وہ ان گناہوں میں ملوث ہوتے ہیں،جو اللہ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی کا سبب بنتے ہیں۔

بلاشبہ علم دین سے دوری،اورشریعت اسلامی سے ناواقفیت ہی ایسے افراد کو غیر شرعی زندگی

گذارنے پر آمادہ کرتی ہے، چنانچہ وہ ایسی زندگی گزارتے ہیں، جو جانوروں سے بھی بدتر ہوتی ہے، اور اللہ کے غضب کو بھڑکاتی ہے، پھر قہر الٰہی کا نزول ہوتا ہے، کہنے والے نے صحیح کہا ہے: ''گناہ مصیبتوں کا سبب بنتے ہیں''۔

آج کل جو انسانی حوادث، اقعات، مختلف شکلوں میں رونما ہو رہے ہیں، ان کے پیچھے معصیتوں کا اثر نظر آتا ہے، یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ جب بھی انسان اپنے اصل طریقے سے ہٹا اور اس نے معصیت کا رخ کیا ہے، اور نفس کا مطیع و فرمانبردار بنا اور اپنی باگ ڈور شیاطین انس وجن کے سپرد کردی ہے تو اس کو فساد و ہلاکت اور خونریزی اور معصوم انسانوں کے قتل وغارت گری کا سامنا کرنا ہے، آج ہمارے سامنے برما کے ان روہنگیائی مسلمانوں کی حرمت کی بڑی سطح پر پامالی کا مسئلہ ہے، جو اجتماعی نسل کشی کے شکار ہوئے، ہزاروں روہنگیائی مسلمان قتل کیے گئے، اور جلائے گئے، اور اب ہزاروں جلاوطنی کی زندگی گذار رہے ہیں۔

آج ہمارے سامنے ایک سوال ہے، جو جواب کا متقاضی ہے کہ آخر کیوں مسلمان ہی ہر ملک میں اور ہر جگہ ان وحشیانہ اور مظلومانہ کارروائیوں کا نشانہ بن رہے ہیں، آخر اس کی اصل وجہ کیا ہے؟ میں امید کرتا ہوں کہ یہ حقیر سوال علماء امت قومی لیڈروں کے کانوں سے ضرور ٹکرائے گا، اور وہ اس کا جواب قرآن وسنت کی روشنی میں دیں گے اور اللہ نیکوکاروں کے اجر کا ضائع نہیں کرتا۔

(ترجمانی: محمد منذر، علیا ثانیہ شریعہ حدیث)

☆☆☆☆☆

ہماری مطبوعات

☆ عمدہ کاغذ ☆ بہترین طباعت ☆ خوبصورت سرورق

نمبر شمار	اسمائے کتب	قیمت
۱	زعیمان لحرکۃ الاصلاح	70/=
۲	روداد چمن	200/=
۳	الصحافۃ العربیۃ	160/=
۴	تمرین الصرف	55/=
۵	رسالۃ التوحید	60/=
۶	دیوان الحماسۃ (اول)	165/=
۷	دیوان الحماسۃ (دوم)	165/=
۸	فتاویٰ ندوۃ العلماء (اول)	350/=
۹	فتاویٰ ندوۃ العلماء (دوم)	400/=
۱۰	فتاویٰ ندوۃ العلماء (سوم)	400/=
۱۱	مختار الشعر العربی (اول)	15/=
۱۲	مختار الشعر العربی (دوم)	18/=
۱۳	العقیدۃ السنیۃ	20/=
۱۴	تاریخ الادب العربی (الاسلامی)	125/=
۱۵	تاریخ الادب العربی (الجاھلی)	70/=
۱۶	مقدمہ شیخ عبدالحق دہلویؒ	50/=
۱۷	اسلام کی تعلیم	16/=
۱۸	تفہیم المنطق	150/=
۱۹	مبادی علم اصول الفقہ	20/=
۲۰	سوانح صدر یار جنگؒ	200/=
۲۱	مختار من صفۃ الصفوۃ	150/=
۲۲	شرح العقیدۃ الطحاویۃ	55/=
۲۳	اصول الشاشی	60/=
۲۴	علم اصول الفقہ	100/=
۲۵	حیات عبدالباریؒ	150/=
۲۶	تاریخ ندوۃ العلماء (اول)	170/=
۲۷	تاریخ ندوۃ العلماء (دوم)	180/=

ملنے کے پتے:

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ	9889378176
مکتبۂ اسلام، امین آباد، گوئن روڈ، لکھنؤ	9415912042
مکتبہ الفرقان، نظیر آباد، لکھنو	9936635816
مکتبہ علمیہ، شباب مارکیٹ ندوہ روڈ، لکھنؤ	9198621671
مکتبہ طوبیٰ، ندوی منزل، ندوہ روڈ، لکھنؤ	9005505629

ایک ضروری اعلان: بعض ناشرین کتب نے مجلس صحافت ونشریات کی کتابیں غیر قانونی طور پر طبع کرالی ہیں، اس لیے قارئین سے گذارش ہے کہ مجلس کی جملہ درسی وغیر درسی کتابیں درج بالا مکتبوں ہی سے خریدیں اور بذریعۂ ڈاک بھی طلب کریں، مادر علمی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ساتھ آپ کا یہ نہایت مخلصانہ تعاون ہوگا۔

ناشر:

مجلس صحافت ونشریات

ٹیگور مارگ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فکرمعاصر

مستقبل مسلمانوں کا ہے!

● .....مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب بھی کوئی قوم روبہ زوال ہوتی ہے، اس کے درخشندہ و تابندہ نقوش مٹنے لگتے ہیں ،اس کے افراد میں بے چینی، اضطراب اور شکایتیں عام ہونے لگتی ہیں،قائدین اورحکمرانوں پر سے قوم کا اعتماد اٹھنے لگتا ہے ، سیاسی، اقتصادی اور سماجی ڈھانچہ بکھرنے لگتا ہے اور ایسے مسائل پیدا ہونے لگتے ہیں جن کے حل سے قوم عاجز ہوجاتی ہے، تو ذہنوں میں اس قوم کی صلاحیت وبقا کے متعلق شکوک وشبہات جنم لینے لگتے ہیں ، اس کے درخشاں اور روشن عہد کو لوگ بھلا دیتے ہیں، ہر طرف سے وہ ہدف ملامت بن جاتی ہے اور بوڑھے شخص کی طرح چوطرفہ مصائب کا شکار ہوجاتی ہے،انسان کی طرح قومیں بھی خواہ کتنی ہی ترقی یافتہ اور خوشحال ہوں،غلبہ وقوت اور اقبال وعروج کی اپنی آخری منزل کو پہونچ کر زوال و پستی اور انتشار وتفرقہ کا شکار ہوجاتی ہیں اور ان کا وجود ختم ہوجاتا ہے اور دوسری قومیں ان کی جگہ لے لیتی ہیں۔قرآن کریم اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے:"وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزاً"[سورہ مریم:۹۸](اور ہم نے ان سے پہلے بہت سے گروہوں کو ہلاک کردیا ہے، بھلا تم ان میں سے کسی کو دیکھتے ہو یا (کہیں) ان کی بھنک سنتے ہو؟)۔

جس طرح کسی قوم کے ارتقا واقبال مندی کے کچھ اسباب ہوتے ہیں، اسی طرح اس کے زوال کی بھی کچھ اسباب ہوتے ہیں،ازل سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ اگر کسی قوم کا ستارۂ اقبال طلوع ہوا تو کسی کا غروب، چنانچہ مسلمانوں نے دنیا کے بڑے وسیع رقبہ پر صدیوں حکومت کی،ان میں سے کسی نے نصف صدی تک حکومت کی تو کسی نے ساٹھ سال تک اپنا لوہا منوایا ہے، جیسا کہ ایک فاطمی حکمراں نے ساٹھ سال تک حکومت کی ، اورنگ زیب عالمگیرؒ کے زیرنگیں افغانستان سے لیکر آسام تک کا علاقہ تھا،اس طویل مدت میں ان کی حکومت میں کسی طرح کا جھول اور کسی طرح کی کمزوری دکھائی نہیں پڑتی،مسلمانوں نے اپنے عہد اقتدار و غلبہ میں علم وفن کی بے شمار شمعیں روشن کیں اور کارہائے نمایاں انجام دیے، زندگی کے ہر میدان میں ایسی ایسی نابغۂ روزگار اور عبقری شخصیتوں کو وجود بخشا جنہوں نے اپنے اپنے زمانہ میں ایک نئے دور کا آغاز کیا،اس چمن کا ہر پھول اپنے اندر اپنی ایک انوکھی شان رکھتا ہے، اس میں کوئی حکیم ہے تو کوئی فلسفی، کوئی ریاضیات کا امام ہے تو کوئی فلکیات کا مقتدا،ابن سینا،بیرونی، ابن رشد، رازی، ابن ہیثم ،مسکویہ اوران کے علاوہ سیکڑوں عظیم اسلامی شخصیات گزری ہیں جن کی مثال تاریخ انسانی میں نہیں ملتی،ان کا اپنا ایک امتیاز اور ایک ایجاد ہے، رہتی دنیا تک کے انسان ان کے ایجاد کردہ علوم وفنون کے مرہون منت رہیں گے، آج کی متمدن دنیا انہی مسلم حکماء وفلاسفہ کے علمی وسائنسی اصول و مبادی اور افکار ونظریات کی روشنی میں ترقی کے منازل طے کررہی ہے۔

تاریخ میں ایسے بھی حکمراں خاندان دیکھنے کو ملتے ہیں جنہوں نے صدیاں درصدیاں حکمرانی کی، کسی نے تین صدی تو کسی نے مکمل پانچ صدیوں تک حکومت میں قبضہ جمائے رکھا، لیکن پھر سنت الٰہی کے مطابق اس حکومت کا بھی تانا بانا بکھر گیا اور دوسرے خاندان اس حکومت پر قابض ہوگئے، حکمراں خاندانوں کے اقبال وادبار کا سلسلہ اسی طرح چلتا رہا اور زمام مملکت جن خاندانوں کے پاس رہی انہوں نے فتوحات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر کیا، دشمنوں کو زیر کیا، تہذیب وتمدن ، ثقافت اور علم وفن کے ادارے قائم کیے، دوسری حکومتوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا، یورپین حکام اور ترک عثمانی حکمرانوں (سلطان سلیمان اور سلطان سلیم) کے مابین ہونے والی مراسلت پر جن کی نظر ہے وہ عثمانی سلطنت کی وسعت، اس کی شان وشوکت، اس کی عظمت وہیبت اور رعب ودبدبہ کا اندازہ لگا سکتے ہیں،لیکن تاریخ نے کروٹ بدلا اور ترک عثمانیوں کا دور اقتدار ختم ہوگیا، دوسری نئی طاقتیں غالب آگئیں۔

مسلمانوں نے دنیا کے مختلف براعظموں پر جن میں یورپ اور افریقہ بھی ہیں حکومت کی ، دنیا کے تمام خطے جہاں اسلام کے قدم پہونچے وہاں آج بھی اسلام کے اثرات باقی ہیں،خواہ اسلامی حکومت ہو یا غیر مسلموں کا غلبہ ہو، ان

سب میں سرفہرست سرزمین اندلس (اسپین) ہے جو غداروں کی غداری اور خائنوں کی خیانت داری کی نذر ہوگئی اور پھر عیسائیوں نے ان کے ساتھ وحشیانہ اور بہیمانہ معاملہ کیا، ان پر ظلم وبربریت کے پہاڑ توڑے اور جبراً انہیں اندلس چھوڑنے پر مجبور کیا، انسانی حقوق کے ساتھ ایسا کھلواڑ کیا اور ایسی دھجیاں اڑائیں جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی حتی کہ یہ تصور کیا جانے لگا کہ اسلام کا خاتمہ ہوگیا ہے، اس کی عمر تمام ہوچکی ہے، اور سرزمین اندلس مسلمانوں سے خالی ہوگئی۔

لیکن صلیبی ظلم وقہر کے باوجود اسپین میں موجود اسلامی آثار، پڑوسی عرب ممالک کے کام کرنے والے مسلمان اور بعض اعتدال پسند اسپینی حکمرانوں کی کشادہ قلبی اور رواداری کی وجہ سے ایک بار پھر اسلام کی واپسی کے آثار نظر آنے لگے ہیں، تازہ رپورٹوں کے مطابق اسپین میں اسلام کی ترقی روز افزوں ہے، روز بروز نومسلموں کی تعداد میں اضافہ ہی ہورہا ہے، چند سال پہلے اسپین کی راجدھانی مڈریڈ میں شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز کی سرپرستی میں ''بین مذاہب ڈائلاگ'' کے عنوان کے تحت ایک عالمی کانفرنس منعقد کی گئی، اور اس کانفرنس کو کامیاب بنانے میں اسپینی حکام اور مسیحی قائدین نے بھرپور تعاون کیا، اگر مسلمان حکمت و دانائی، موعظت حسنہ، اور نبوی طریقۂ دعوت سے کام لیتے رہے تو فریقین میں آپسی کدورت کا خاتمہ ہوگا، تعلقات مزید استوار ہوں گے، فاصلے اور دوریاں کم ہوں گی اور نزدیکیاں اور قربتیں بڑھیں گی، تاریخ بھی یہی بتاتی ہے اور عدل و انصاف بھی اسی کا متقاضی ہے۔

اسپین کے طرز پر جہاں اسلام تمام تر ریشہ دوانیوں کے باوجود اپنی تمام تر جلوہ آرائیوں کے ساتھ عود کر آرہا ہے، اس پر اُٹا ہوا غبار خود بخود چھٹ رہا ہے، لوگوں مشرف بہ اسلام ہورہے ہیں، مساجد ومدارس کا قیام عمل میں آرہا ہے، اسلامی نقوش وآثار کو نئی زندگی مل رہی ہے اور عظیم اسلامی ہستیوں کے علوم وفنون اور ان کی علمی تحقیقات کا اعتراف کیا جارہا ہے، ایشیاء وسطی اور مشرقی یورپ میں اسلام، دشمنوں کی عداوتوں اور مخالفتوں کے باوجود منصۂ شہود پر ایک بار پھر جلوہ گر ہورہا ہے اور اپنی ضیاپاش کرنوں سے دنیا کو منور کررہا ہے، مشرقی یورپ میں پابندیوں اور رکاوٹوں کے باوجود اسلام کی مقبولیت بڑھ رہی ہے۔

وہ سپرپاور (سویت یونین) جس نے پورے عالم کو اپنے سامنے پیشانی خم کرنے پر مجبور کردیا، پوری دنیا سے چین وسکون کا جنازہ نکال کر بدامنی، بے چینی کی فضا قائم کردی اور عالم اسلام کے مختلف خطوں کے مسلم باسیوں سے آزادی چھین لی اور ان کی گردنوں میں غلامی کا طوق ڈالدیا، انسانی حقوق کی ایسی پامالی کی گئی جس کی نظیر تاریخ میں نہیں مل سکتی، مشرق میں مصر، عراق، شام اور افریقہ میں الجزائر، لیبیا، سوڈان، اور صومالیہ میں قیامت صغریٰ برپا کردی گئی، ظلم واستبداد کے ایسے دلدوز مناظر سامنے آتے ہیں جس سے روح کانپ جائے، انسانی دماغ چل جائے، لیکن یہ طاقت بھی ٹوٹ کر بکھر گئی، ان وحشیانہ جرائم کے مرتکبین یورپی نصرانی تھے جن کی اسلام دشمنی محض قومی، دینی اور نسلی بنیادوں پر تھی، انہوں نے انسانی حقوق کی ساری حدوں کو پار کردیا، خدا کے فضل سے مسلمان اس خطرناک آزمائش سے نکل آئے، اور ازسرنو کوششیں شروع کردی ہیں، اخباری رپورٹوں سے دنیا کے مختلف حصوں میں اسلام کی مقبولیت کا پتہ چل رہا ہے اگر ایک طرف مدارس کھولے جارہے ہیں تو دوسری طرف اسلامی مراکز اور عبادت خانے تعمیر کئے جارہے ہیں، مسیحی مبلغین اور اہل کلیسا کا کہنا کہ کلیسا کے مقابلہ میں لوگوں کے دلوں میں مساجد کی وقعت و اہمیت زیادہ موجود ہے، یہی وجہ ہے کہ ایسی تدابیر اختیار کی جارہی ہیں جس سے دین اسلام کی تبلیغ واشاعت رک سکے، اسی مقصد سے بہت سی دشمن تحریکیں وتنظیمیں شب وروز اسلام کی شبیہ بگاڑنے کے لیے کوشاں ہیں۔

سویت یونین سے پہلے دنیا کا سپرپاور برطانیہ تھا جس کے زوال کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا اور یہ مشہور تھا کہ مملکت برطانیہ میں سورج غروب نہیں ہوتا، آج بھی وہ یہ دعویٰ کررہا کہ وہی مملکت عظمی ہے، لیکن حقیقت میں آج وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں ہے، اور موجودہ عالمی طاقتیں بھی روبہ زوال ہیں جو اپنی مادی اور جنگی طاقت اور ابلیسی نظام کی بنا پر اقوام عالم پر حکمرانی کررہی ہیں، اور دوسری قومیں اپنی گردنوں سے غلامی کا طوق اتار رہی ہیں۔

تنگ نظری اور عقلی وفکری انحراف کی وجہ سے نسلوں کا عقیدہ بگڑ گیا ہے، جب دمکتے ستارے ان کو نظر آتے ہیں تو وہ ان کو معبود سمجھ بیٹھتی ہیں، اور بھول جاتی ہیں کہ ظلم کو دوام نہیں ہے، ان کو حق نظر نہیں آتا، جس وقت یہ طاغوتی طاقت ختم ہو جائے گی تو ان پر حقیقت منکشف

ہوجائے گی، مکروفریب، کذب وافتراء چندایام کے مہمان ہوتے ہیں، زمانہ دراز ہوتے ہی حقیقت آشکارہ ہوجاتی ہے:"وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ، وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ" [سورہ ابراہیم: ۴۶] (اور انہوں نے (بڑی بڑی) تدبیریں کیں اور ان کی سب تدبیریں خدا کے ہاں لکھی ہوئی ہیں، گو وہ تدبیریں ایسی غضب کی تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی ٹل جائیں)۔

موجودہ تہذیب کی نمایاں خصوصیات مکاری، عیاری، جعل سازی، دھوکہ بازی اور بے وفائی ہے، زندگی کے ہر میدان میں (سیاست ہو یا تعلیم، معاشیات ہو یا ذرائع ابلاغ) تہذیب جدید کی انہی خصوصیات کا دور دورہ ہے، لیکن مکاری پھر مکاری ہے اس کا زوال یقینی ہے۔

کہا جاتا ہے اور سچ بھی یہی ہے کہ مستقبل اسلام کا ہے، اس لیے کہ اسلام دین حق ہے اور حق کبھی مغلوب نہیں ہوتا، بلکہ اس کو اتنی بلندی نصیب ہوتی ہے کہ وہ ہمدوش ثریا ہوجاتا ہے، لیکن یہاں ایک دوسری حقیقت ہے جو انسانی تاریخ سے ماخوذ ہے وہ حقیقت یہ ہے کہ مستقبل ہمیشہ مظلومین کا ہوتا ہے، اور ظالم کا زمانہ بہت تھوڑا ہوتا ہے، صدیوں سے بیچارہ مسلمان مظلوم ہے اور مظلوم کا حق یہ ہے کہ اس کو غلبہ نصیب ہو، اس کے سارے حقوق واپس کیے جائیں، عدل و انصاف تواسی کا تقاضہ کرتا ہے کہ مسلمانوں کی عظمت رفتہ بحال ہو، اس کی شرافت وعظمت اور بلندی ایک بار پھر واپس ہو، اس کے وہ حق دار بھی ہیں اور اہل بھی۔ لیکن مظلوم کے چھینے ہوئے حقوق کی بحالی کی شرط یہ ہے کہ اس کے اندر خودی اور خوداعتمادی کا احساس جاگزیں ہو، اپنی مظلومیت کا احساس ہو، ظالم کو پہچانے اور عظمت رفتہ کی واپسی کا عزم مصمم پیدا ہو تب کہیں جاکر وہ اپنے چھینے ہوئے حقوق حاصل کرسکتا ہے، حالات اور قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شعور و احساس لوگوں میں پروان چڑھ رہا ہے۔

موجودہ دور میں مسلمان جن حالات کا شکار ہیں حقیقت یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو مقصدِ اصلی سے قریب کررہے ہیں اور وہ حالات ظالموں کی شناخت کروارہے ہیں اور ان ظالموں کی بدبختی کا سبب بن رہے ہیں، اگر حقیقت میں مسلمانوں میں یہ شعور بیدار اور پختہ ہوجائے تو یقیناً ان کے ساتھ خدا کی مدد ہوگی اور رحمت خداوندی کے جلو میں وہ زندگی گزاریں گے۔

اگر مسلمانوں کو ان کی حقیقی قوت اور حقیقی سیادت نصیب ہوجائے تو دنیا میں ایک بار پھر مسلمانوں کا پرچم لہراسکتا ہے، ان کی عظمت رفتہ بحال ہوسکتی ہے، ان پر چھائی ہوئیں ادبار کی گھٹائیں چھٹ سکتی ہیں اور ان پر لگائے گئے بے بنیاد الزامات کافور ہوسکتے ہیں۔ اللہ کی طرف سے مدد کا وعدہ ہے اور یہ مدد آکر ہی رہے گی، اللہ تعالی کا فرمان ہے:"أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللّٰهَ عَلَى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ، اَلَّذِيْنَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْراً وَلَيَنصُرَنَّ اللّٰهُ مَن يَنصُرُهُ إِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ، اَلَّذِيْنَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُوْرِ"[سورۂ حج:۳۹-۴۱] (جن مسلمانوں سے (خوامخواہ) لڑائی کی جاتی ہے ان کو اجازت ہے (کہ وہ بھی لڑیں) کیونکہ ان پر ظلم ہورہا ہے اور خدا (ان کی مدد کرے گا وہ) یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے، یہ وہ لوگ ہیں کہ اپنے گھروں سے ناحق نکال دئے گئے (انہوں نے کچھ قصور نہیں کیا) ہاں یہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار خدا ہے اور اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو (راہبوں کے) صومعہ اور (عیسائیوں کے) عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں خدا کا بہت سا ذکر کیا جاتا ہے ویران ہوچکی ہوتیں اور جو شخص خدا کی مدد کرتا ہے خدا اس کی ضرور مدد کرتا ہے بیشک خدا توانا اور غالب ہے، یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز پڑھیں اور زکوۃ ادا کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں، اور سب کاموں کا انجام خدا ہی کے اختیار میں ہے:

"وَنُرِيْدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِيْنَ، وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُم مَّا كَانُوا يَحْذَرُوْنَ"[سورہ قصص:۴-۵] (اور ہم چاہتے تھے کہ جو لوگ کمزور کردیے گئے ہیں ان پر احسان کریں اور ان کو پیشوا بنائیں اور انہیں (ملک کا) وارث کریں اور ملک میں ان کو قدرت دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر کو وہ چیز دکھادیں جس سے وہ ڈرتے تھے)۔

(ترجمہ: حسیب اللہ فتحوری ندوی)

☆☆☆☆☆☆

تذکیرودعوت

معاشرتی مسائل کی فکر- ہمارا اولین فرض

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

کچھ عرصے سے مسلمان اہل فکر اور دینی جماعتوں کی بیشتر توجہ ملک کے سیاسی اور قانونی مسائل کی طرف اس شدت کے ساتھ مبذول رہی ہے کہ بہت سے اہم معاشرتی مسائل پیچھے چلے گئے ہیں اوران کی طرف توجہ یا تو بالکل نہیں رہی یا بہت کم رہی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف جس سست رفتاری سے سیاست اور قانون میں دین کا عمل دخل شروع ہوا ہے دوسری طرف اس سے کہیں زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ معاشرت بالکل الٹی سمت میں بے دینی کی طرف دوڑ رہی ہے ، بے پردگی اور بے حیائی گھر گھر پھیل چکی ہے،عریانی اور فحاشی نے حیاء وعفت کا مفہوم تک ذہنوں سے محو کر دیا ہے، بڑوں کا احترام اور خاندانی رشتوں کے اسلامی آداب قصہ پارینہ بن چکے ہیں،دفتروں میں رشوت ستانی اور بازاروں میں سود، قمار اور دھوکہ،فریب کو شیر مادر سمجھ لیا گیا ہے اور اب ان برائیوں کی قباحت بھی دلوں سے مٹ چکی ہے۔

ان بہت سے مسائل میں سے آج کی نشست میں بے پردگی اور بے حیائی کے مسئلہ پر چند دردمندانہ گذارشات قارئین کی خدمت میں پیش کرنی ہیں جن کا تعلق عام مسلمانوں سے بھی ہے، علماء اور اہل فکر سے بھی۔

اسلام نے خواتین کو عزت وحرمت کا جو مقام بخشا ہے اور اس کے تقدس کی حفاظت کے لیے جو تعلیمات دی ہیں، وہ دنیا بھر کے مذاہب اور اقوام میں ایک منفرد حیثیت کی حامل ہیں، اسلام نے ایک طرف عورت کی حرمت اور دوسری طرف اس کے جائز تمدنی اور معاشرتی حقوق کا تحفظ کرنے کے لیے جو احکام عطا فرمائے ہیں، ان کی حکمتوں کا احاطہ انسانی عقل کے ادراک سے بالاتر ہے، مسلمان عورت اپنی عزت کے تحفظ کے ساتھ تمام ضروری تمدنی حقوق رکھنے کے باوجود تلاش معاش میں ماری ماری پھرنے کے لئے نہیں، بلکہ گھر کی ملکہ بننے کے لئے پیدا ہوئی ہے، اسی لیے شریعت نے اس کی عمر کے کسی مرحلہ میں فکر معاش کا بوجھ اس کی گردن پر ڈالا نہیں، خال خال صورتیں تو مستثنیٰ ہیں؛ لیکن عام حالات میں شادی سے پہلے اس کے معاش کی ذمہ داری باپ پر اور شادی کے بعد شوہر یا اولاد پر ڈالی گئی ہے، لہٰذا ناگزیر ضرورتوں کو چھوڑ کر عام طور پر اسے معاش کے لیے سڑکیں چھاننے کی ضرورت نہیں، چنانچہ اس کی عزت وآبرو، اس کی حرمت وتقدس کو سلامت رکھنے کے لئے یہ حکم دیا گیا ہے کہ:

”وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلیٰ“ [اُحزاب/۳۳] (اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور پچھلی جاہلیت کی طرح بناؤ سنگھار کر کے باہر نہ پھرا کرو)۔

ضرورت کے موقع پر عورت کو گھر سے باہر جانے کی اجازت بھی اسلام نے دی ہے؛ لیکن اس طرح کہ وہ پردے کے آداب وشرائط کو ملحوظ رکھ کر بقدر ضرورت باہر نکلے اور اپنے آپ کو ہوسناک نگاہوں کا نشانہ بننے سے بچائے، اس غرض کے لیے مرد وعورت کے درمیان فطری تقسیم کار یہ رکھی گئی ہے کہ مرد کمائے اور عورت گھر کا انتظام کرے اور مرد کے لیے کما کر لانا عورت پر اس کا کوئی احسان نہیں، اس کا لازمی فریضہ ہے، بلکہ اس معاملے میں اسلام نے عورت کو یہ فضیلت اور امتیاز بخشا ہے کہ گھر کا انتظام بھی قانونی طور پر اسکی ذمہ داری نہیں ہے، اخلاقی طور پر اس کو اس بات کی ترغیب ضرور دی گئی ہے کہ وہ شوہر کے گھر کی دیکھ بھال کرے؛ لیکن اگر عورت اپنی اس اخلاقی ذمہ داری کو پورا نہ کرے تو مرد اس کو بزور قانون اس پر مجبور نہیں کر سکتا، اس کے برخلاف مرد پر عورت کے لیے کمانے کی ذمہ داری اخلاقی بھی ہے اور قانونی بھی اور اگر کوئی مرد اس میں کوتاہی کرے تو عورت بزور قانون اسے اس ذمہ داری کی ادائیگی پر مجبور کر سکتی ہے۔

اسلام نے عورت کو یہ امتیاز اس لیے عطا فرمایا ہے تاکہ وہ کسب معاش کی الجھنوں میں پڑ کر معاشرتی برائیوں کا سبب بننے کے بجائے گھر میں رہ کر قوم کی تعمیر کی خدمت انجام دے، گھر کا ماحول معاشرے کی وہ بنیاد ہے جس پر تمدن کی پوری عمارت کھڑی ہوتی ہے، اگر یہ بنیاد خراب ہو تو اس کا فساد پورے معاشرے میں سرایت کر جاتا ہے، اس کے برعکس اگر ایک مسلمان خاتون اپنے گھر کے ماحول کو سنوار کر ان نونہالوں کی صحیح تربیت کرے جنہیں آگے چل کر قوم وملک کا بوجھ اٹھانا ہے تو ساری قوم خود کار

طریقے پر سنور سکتی ہے اور اس طرح مرد و عورت کی عزت و آبرو کا پورا تحفظ ہوتا ہے۔

اور دوسری طرف ایک ایسا ستھرا گھریلو نظام وجود میں آتا ہے جو پورے معاشرہ کی پاکیزگی کا ضامن بن سکتا ہے؛ لیکن جس ماحول میں معاشرہ کی پاکیزگی کوئی قیمت ہی نہ رکھتی ہو اور جہاں عفت و عصمت کے بجائے اخلاق باختگی اور حیاسوزی کی منتہائے مقصود سمجھا جاتا ہو، ظاہر ہے کہ وہاں اس تقسیم کار، پردہ اور حیا کو نہ صرف غیر ضروری، بلکہ راستے کی رکاوٹ سمجھا جائے گا، چنانچہ جب مغرب میں تمام اخلاقی اقدار سے آزادی کی ہوا چلی تو مرد نے عورت کے گھر میں رہنے کو اپنے لیے دوہری مصیبت سمجھا، ایک طرف تو اس کی ہوس ناک طبیعت عورت کی کوئی ذمہ داری قبول کیے بغیر قدم قدم پر اس سے لطف اندوز ہونا چاہتی تھی اور دوسری طرف وہ اپنی قانونی بیوی کی معاشی کفالت کو بھی ایک بوجھ تصور کرتا تھا، چنانچہ اس نے دونوں مشکلات کا جو عیارانہ حل نکالا، اس کا خوبصورت اور معصوم نام ''تحریک آزادئ نسواں'' رکھا، عورت کو یہ پڑھایا گیا کہ تم اب تک گھر کی چار دیواری میں قید رہی، اب آزادی کا دور ہے اور تمہیں اس قید سے باہر آکر مردوں کے شانہ بشانہ زندگی کے ہر کام میں حصہ لینا چاہیے، اب تک تمہیں حکومت و سیاست کے ایوانوں سے بھی محروم رکھا گیا ہے، اب تم باہر آکر زندگی کی جدوجہد میں برابر کا حصہ بنو تو دنیا بھر کے اعزازات اور اونچے اونچے منصب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔

عورت بے چاری ان دل فریب نعروں سے متأثر ہوکر گھر سے باہر آگئی اور پروپیگنڈے کے تمام وسائل کے ذریعہ شور مچا مچا کر اسے یہ باور کرادیا گیا کہ اسے صدیوں کی غلامی کے بعد آج آزادی ملی ہے اور اب اس کے رنج و محن کا خاتمہ ہوگیا ہے، ان دلفریب نعروں کی آڑ میں عورت کو گھسیٹ کر سڑکوں پر لایا گیا، اسے دفتروں میں کلرکی عطا کی گئی، اسے اجنبی مردوں کے پرائیوٹ سکریٹری کا ''منصب'' بخشا گیا، اسے اسٹینوٹائپسٹ'' کا عہدہ'' عنایت کیا گیا، اسے تجارت چمکانے کے لئے ''سیلز گرل'' اور ''ماڈل گرل'' بننے کا شرف بخشا گیا اور اس کے ایک ایک عضو کو برسر بازار رسوا کرکے گاہکوں کو دعوت دی گئی آؤ اور ہم سے مال خریدو، یہاں تک کہ وہ عورت جس کے سر پر دین فطرت نے عزت و آبرو کا تاج رکھا تھا اور جس کے گلے میں عفت و عصمت کے ہار ڈالے تھے، تجارتی اداروں کے لیے ایک شوپیس اور مرد کی تھکن دور کرنے کے لئے ایک تفریح کا سامان بن کر رہ گئی۔

نام یہ لیا گیا تھا کہ عورت کو ''آزادی'' دے کر سیاست و حکومت کے ایوان اس کے لئے کھولے جارہے ہیں؛ لیکن ذرا جائزہ لے کر تو دیکھئے کہ اس عرصے میں خود مغربی ممالک کی کتنی عورتیں صدر و وزیر اعظم یا وزیر بن گئیں، اعداد و شمار جمع کئے جائیں تو ایسی عورتوں کا تناسب بمشکل چند فی لاکھ ہوگا، ان گنی چنی خواتین کو کچھ مناصب دینے کے نام پر باقی لاکھوں عورتوں کو جس بے دردی کے ساتھ سڑکوں اور بازاروں میں گھسیٹ کر لایا گیا ہے، وہ آزادئ نسواں کے فراڈ کا المناک ترین پہلو ہے، آج یورپ اور امریکہ میں جاکر دیکھو تو دنیا بھر کے تمام نچلے درجے کے کام عورت کے سپرد ہیں، ریستورانوں میں کوئی مرد ویٹر شاذ و نادر ہی کہیں نظر آئے گا ورنہ یہ خدمات تمام تر عورتیں انجام دے رہی ہیں، ہوٹلوں میں مسافروں کے کمرے صاف کرنے اور ان کے بستر کی چادریں بدلنے اور روم اٹنڈنٹ کی خدمات تمام تر عورتوں کے سپرد ہیں، دوکانوں پر مال بیچنے کے لیے مرد خال خال نظر آئیں گے، یہ کام بھی عورتوں ہی سے لیا جارہا ہے، دفاتر کے استقبالیوں پر عام طور سے عورتیں ہی تعینات ہیں اور بیرے سے لے کر کلرک تک تمام ''مناصب'' زیادہ تر اسی صنف نازک کے حصہ میں آئے ہیں جسے ''گھر کی قید سے آزادی'' عطا کی گئی ہے۔

پروپیگنڈے کی قوتوں نے یہ عجیب و غریب فلسفہ ذہنوں پر مسلط کردیا ہے کہ عورت اگر اپنے گھر میں، اپنے اور اپنے شوہر، اپنے ماں باپ، بھائیوں اور اولاد کے لیے خانہ داری کا انتظام کرے تو یہ قید و ذلت ہے؛ لیکن وہی عورت اجنبی مردوں کے لیے کھانا پکائے، ان کے کمروں کی صفائی کرے، ہوٹلوں اور جہازوں میں ان کی میزبانی کرے، دکانوں پر اپنی مسکراہٹوں سے گاہکوں کو متوجہ کرے اور دفاتر میں اپنے افسروں کی ناز برداری کرے تو یہ ''آزادی'' اور ''اعزاز'' ہے۔انا للّٰہ و انا الیہ راجعون.

پھر ستم ظریفی کی انتہا یہ ہے کہ عورت کسب معاش کے لیے آٹھ آٹھ گھنٹے کی یہ سخت اور ذلت آمیز ڈیوٹیاں ادا کرنے کے باوجود اپنے گھر کے کام دھندوں سے اب بھی فارغ نہیں ہوئی، گھر کی تمام خدمات آج بھی پہلے کی طرح اسی کے ذمہ ہیں اور یورپ و امریکہ میں اکثریت ان عورتوں کی ہے جن کو آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی دینے کے

بعد اپنے گھر پہنچ کر کھانا پکانے، برتن دھونے اور گھر کی صفائی کا کام اب بھی کرنا پڑتا ہے۔

یہ تو اس نام نہاد ''آزادی'' کے وہ نتائج ہیں جو خود عورت اپنی ذاتی زندگی میں بھگت رہی ہے اور مرد وزن کے بے محابا اختلاط سے پورے معاشرے میں بداخلاقی، جنسی جرائم، بے راہ روی اور آوارگی کی جو تباہ کن وبائیں وہاں پھوٹی ہیں، وہ کسی بھی باخبر انسان سے پوشیدہ نہیں، عائلی نظام کی اینٹ سے اینٹ بج گئی ہے، حسب ونسب کا کوئی تصور باقی نہیں رہا، عفت وعصمت داستاں پارینہ بن چکی ہے، طلاقوں کی کثرت نے گھر کے گھر اجاڑ دیے ہیں، جنسی جنون تصور کی خیالی سرحدیں بھی پار کر چکا ہے اور فحاشی کی عفریت نے انسانیت کی ایک ایک قدر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔

یہ واقعات کسی خیالی دنیا کے نہیں ہیں، یہ مغربی ممالک کے وہ ناقابل انکار حالات ہیں جن کا ہر شخص وہاں جا کر مشاہدہ کر سکتا ہے اور جو لوگ وہاں نہیں جا سکتے، ان حالات کی خبریں لازماً ان تک بھی پہنچتی رہتی ہیں، تقلید مغرب کے جو شائقین شروع شروع میں وہاں جا کر آباد ہوئے کچھ عرصے تک وہاں کی چمک دمک کی سیر کرنے کے بعد جب خود صاحب اولاد ہوئے اور اپنی بچیوں کا مسئلہ سامنے آیا تو ان کی پریشانی اور بے چینی کا یہاں رہ کر اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔

سوال یہ ہے کہ کیا کوئی مسلمان جس کے دل میں ایمان کی کوئی رمق موجود ہو یہ پسند کر سکتا ہے کہ خدانخواستہ یہ گھناؤنے حالات ہمارے اپنے ملک اور اپنے معاشرے میں بھی دہرائے جائیں، اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو یہ کیسا ستم ہے کہ ہم بھی رفتہ رفتہ بے پردگی اور بے حجابی کے اسی راستے پر چل رہے ہیں جس نے مغرب کو معاشرتی تباہی اور اخلاقی دیوالیہ پن کے آخری سرے تک پہنچا دیا ہے۔

ایک زمانہ تھا کہ مسلمان خاندان کی خواتین کی سواریوں پر بھی پردے بندھے ہوئے ہوتے تھے اور پردہ شرافت وعالی نسبی کا نشان سمجھا جاتا تھا؛ لیکن آج انہیں شریف گھرانوں کی بیٹیاں بازاروں میں برہنہ سر گھوم رہی ہیں، بڑے شہروں میں تو نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ شہر میں برقعے کی شکل خال خال ہی کہیں نظر آتی ہے، بے پردگی کے سیلاب نے حیاوعفت کا جنازہ نکال کر رکھ دیا ہے اور دیندار گھرانوں میں بھی پردے کی اہمیت کا احساس روز بروز گھٹ رہا ہے۔

بعض لوگ بے پردگی کی حمایت میں کہتے نظر آتے ہیں کہ ہماری بے پردگی کو یورپ اور امریکہ کی بے پردگی پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے اور یہاں کی بے پردگی وہ نتائج پیدا نہیں کرے گی جو مغرب میں پیدا ہو چکے ہیں؛ لیکن خوب سمجھ لیجیے کہ جو کچھ مغرب میں ہوا یا ہو رہا ہے، وہ فطرت کے ساتھ بغاوت کے لازمی اور منطقی نتائج ہیں، یہ بغاوت جہاں کہیں ہوگی، اپنے انہی منطقی نتائج تک پہنچ کر رہے گی، ان نتائج کو کھوکھلے فلسفوں سے نہیں روکا جا سکتا اور جو لوگ بے پردگی کو فروغ دینے کے بعد معاشرے میں عفت وعصمت باقی رکھنے کے دعوے کرتے ہیں یا تو خود احمقوں کی جنت میں بستے ہیں یا دوسروں کی آنکھوں میں دھول جھونکنا چاہتے ہیں، واقعات اس بات کی گواہ ہیں کہ جب سے ہمارے معاشرے میں بے پردگی کا رواج بڑھا ہے، اس وقت سے اغوا، زنا اور دوسرے جرائم کی شرح کہیں سے کہیں پہنچ گئی ہے اور اس طرح جس مقدار میں ہم بے پردگی کی طرف بڑھے اسی تناسب سے مغربی معاشرے کی لعنتیں بھی ہمارے یہاں سرایت کر گئی ہیں۔

ان لعنتوں کے سدباب کا اگر کوئی راستہ ہے تو صرف یہ کہ ہم پردے کے سلسلے میں اپنے طرز عمل کو بدل کر دین فطرت کی انہی تعلیمات کی طرف لوٹیں، جنہوں نے ہمیں پاکیزہ زندگی گزارنے کا طریقہ سکھایا ہے۔

افسوس یہ ہے کہ پروپیگنڈے اور خراب ماحول کے زیر اثر رفتہ رفتہ بے پردگی کی برائی ذہنوں سے محو ہوتی جا رہی ہے اور جن گھرانوں کے بارے میں کبھی بے پردگی کا تصور بھی نہیں آ سکتا تھا، اب وہاں بھی پردہ ختم ہو رہا ہے، گھر کے وہ بڑے جو بذات خود بے پردگی کو برا سمجھتے ہیں وہ بھی رفتہ رفتہ اس سیلاب کے آگے سپر ڈال رہے ہیں اور ہمارے نزدیک اس سیلاب کی تیز رفتاری کا بڑا سبب یہی ہے، اگر یہ لوگ سپر ڈالنے کے بجائے اپنے گھر والوں کا ذہن بنانے کی فکر کریں، انہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام یاد دلائیں، ان احکام کی نافرمانی کے سنگین نتائج سے آگاہ کریں اور انہیں یہ باور کرائیں کہ وہ اپنی موجودگی میں اپنے گھر کی خواتین کو بے پردہ نہیں دیکھیں گے تو انشاء اللہ اس سیلاب پر روک ضرور قائم ہوگی۔

ہمارے خطباء اور واعظ حضرات نے بھی ایک مدت سے اس مسئلہ کی وضاحت چھوڑ رکھی ہے اور اس اسلامی حکم کی تعلیم وتبلیغ میں بھی بہت سستی آ گئی ہے، شاید یہ خیال ہونے لگا ہے کہ اس معاملے میں وعظ ونصیحت بے اثر ہو چکی ہے؛ لیکن

خوب سمجھ لینا چاہیے کہ داعی حق کا کام یہ ہے کہ وہ تھکنے اور مایوس ہونے کے بجائے اپنے حصے کا کام انجام دیتا رہے۔ نتائج تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں؛ لیکن داعی کا کام یہ ہے کہ وہ دعوت کو سست نہ پڑنے دے، تجربہ اس بات کا گواہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ جو بات کہی جاتی رہے وہ ایک نہ ایک دن اپنا اثر ضرور دکھاتی ہے، یہ قرآن کریم کا وعدہ ہے: "وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ" (اور نصیحت کرو کہ بلاشبہ نصیحت مؤمنوں کو فائدہ پہنچاتی ہے)۔

حالات بلاشبہ تشویشناک ہیں؛ لیکن بفضلہٖ تعالیٰ ابھی ہمارا معاشرہ اس مقام پر نہیں پہنچا جہاں اصلاح کی کوئی امید باقی نہیں رہتی، ہزار غفلتوں اور کوتاہیوں کے باوجود بحمد اللہ ابھی لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ پر، آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور یوم آخرت پر ایمان موجود ہے اور اس دولت ایمان کی وجہ سے ابھی دعوت وتبلیغ کے لیے لوگوں کے کان بالکل بند نہیں ہوئے، ضرورت اس بات کی ہے کہ اخلاص اور حکمت کے ساتھ مؤثر انداز میں حق کی دعوت متواتر پہنچتی رہے، اگر خدانخواستہ اس مرحلہ پر اس فریضہ میں کوتاہی جاری رہی تو اصلاح کی کوششیں روز بروز مشکل تر ہو جائیں گی اور خدا نہ کرے کہ ہمارے معاشرے میں وہ صورتحال پیدا ہو جس سے آج مغربی ممالک دوچار ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں وہ روز بد نہ دکھائے اور اصلاح حال کے لیے اپنے حصے کا کام صدق واخلاص اور لگن کے ساتھ کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کی جدید ودیدہ زیب طباعت

☆ تفسیر ماجدی

(منزل کے اعتبار سے -------- ۷/منزل، ۷/حصے)

از مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

کل صفحات: ۴۰۶۰ قیمت مصارف ڈاک کے ساتھ ۳۲۵۰ روپے

ڈاک خرچ کے ساتھ صرف ۱۸۰۰ روپے میں

☆ أضواء على الأدب الاسلامی

از حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

صفحات: ۱۴۰ قیمت: ۱۰۰ روپے

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام

پوسٹ بکس نمبر ۹۳، ندوہ کیمپس، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فون نمبر: 0522-2741539، موبائل نمبر: 9889378176

ای میل۔ airpnadwa@gmail.com

دعائے مغفرت

☆ سابق استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء مولانا محمد رضوان ندویؒ کے چھوٹے بھائی اور مکتبہ حرمین امین آباد کے ذمہ دار مولانا محمد فیضان ندوی کا ۱۳/محرم الحرام ۱۴۳۸ھ مطابق ۴/اکتوبر ۲۰۱۷ء بدھ کو دوپہر ۳/بجے دوران علاج ٹراما سنٹر میڈیکل کالج لکھنؤ میں ۴۸/سال کی عمر میں انتقال ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

بعد نماز عشاء مدرسہ عالیہ عرفانیہ چوک لکھنؤ میں ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور بلاقی اڈہ پر واقع قبرستان میں تدفین عمل میں آئی، پسماندگان میں، اہلیہ، چار بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ مرحوم نے محمود نگر میں واقع اپنے مکان میں چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لیے مدرسہ عثمانیہ بھی قائم کیا تھا، جس میں ابتدائی درجات کی تعلیم ہوتی تھی، مساجد کی بازآبادکاری، اور خدمت خلق میں بھی خوب حصہ لیتے تھے، ندوہ سے بڑا گہرا تعلق تھا، ذمہ داران ندوۃ العلماء نے ان کے برادران مولانا محمد عرفان ندوی اور مولانا محمد حسان ندوی سے تعزیت کی، اور مرحوم کے حق میں دعائے مغفرت کی۔

☆ ڈاکٹر محمد مصطفیٰ (دربھنگہ بہار) کا ۱۱/ذی الحجہ ۱۴۳۸ھ مطابق ۳/ستمبر ۲۰۱۷ء اتوار کو انتقال ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون، تدفین اگلے روز پیر کو بعد نماز ظہر ہوئی۔ پھر مرحوم کے فرزند محمد ظفر امام کا ٹھیک ایک ہفتہ بعد اگلے اتوار ۱۰/ستمبر کو انتقال ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون، ان کی تدفین بھی اگلے دن پیر کو ہوئی۔

اللہ تعالیٰ جملہ مرحومین کی مغفرت فرمائے، قارئین سے دعا کی درخواست ہے۔ ☆☆☆

احتساب زندگی

پھر سے ایک سال گزر گیا!

تحریر: شیخ محمد العریفی

ابھی ہم ایک بہت انمول اور قیمتی سال کو رخصت کر آئے ہیں جس کے شب و روز ہمیشہ کی طرح ایک مرتبہ اور ہمارے ہاتھ سے پھسل گئے، بہت ضروری ہے کہ اس موقع پر گذشتہ برس کا جائزہ لے کر سال نو کے لیے کوئی لائحہ عمل طے کیا جائے، حد درجہ سنجیدگی سے سوچا جائے کہ سال گذشتہ ہماری زندگیوں میں کیا تبدیلیاں لائی ہیں؟ اور کس چیز کا ذخیرہ ہمارے نامۂ اعمال میں ہوسکا ہے؟ ہمارا حال ان حرماں نصیبوں کی طرح ہے جنہوں نے رشوتوں، چوریوں، مال کمانے کی فکروں، حرام آمدنیوں، سود خوریوں، شراب نوشیوں، گناہوں اور سرکشیوں، ظلم و زیادتیوں، لڑائی جھگڑوں اور حق تلفیوں میں پورا سال گذار دیا، یا پھر ہم ایسے خوش بختوں میں شامل ہیں جن کے دن و رات کا ہر لمحہ اور سال گذشتہ کا بیشتر وقت حقوق کی ادائیگی، غریبوں اور محتاجوں کی امداد و اعانت، اطاعت و فرمانبرداری، عبادات، رجوع الی اللہ، تلاوت و استغفار کی کثرت، ذکر و اذکار اور نماز روزوں کی لذتوں سے آباد و آراستہ رہا، اب دونوں فریقوں میں کون مستحق ہے امن و دلجمعی کا، اگر تم سمجھ رکھتے ہو: ''جو لوگ یقین لے آئے اور نہیں ملایا انہوں نے اپنے ایمان میں کوئی نقصان، انہی کے واسطے ہے دلجمعی اور وہی ہیں سیدھی راہ پر''۔[سورۃ الانعام]

فضیلت و ثواب، اہمیت و اجر کی بہت سی گھڑیاں، رات و دن کی ان گنت قیمتی ساعتیں یوں ہی گذر گئیں، مگر ان کی قدر کر سکے، نہ ان سے فائدہ اٹھا سکے، حضرت ابو درداءؓ اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ انسانی زندگی کی حقیقت دن و رات کی آمد و رفت سے وابستہ ہے، کوئی شب ڈھلی اور دن نکلا تو زندگی کا ایک بہت بڑا حصہ کم ہو گیا، اسی معنی میں چند عربی اشعار کا ترجمہ یہ ہے کہ:

''ہم دن و رات کے گذرنے پر شادمانی و خوشی محسوس کرتے ہیں، حالانکہ ہر گذرا ہوا دن موت کو ہم سے قریب لا رہا ہے، اس لیے موت سے پہلے اپنے لیے خوب عمل کر لو، کیوں کہ (آخرت میں) عمل ہی نفع اور نقصان کا معیار ہے''۔

حضرت عبدالرحمٰن بن حجیرہ سے منقول ہے کہ عبداللہ ابن مسعودؓ جب کبھی وعظ و نصیحت فرماتے تو کہتے: ''لوگو! تمہاری زندگیوں کا تعلق دن و رات کے آنے جانے سے ہے، تمہاری عمریں متعین ہیں اور تمہارا ہر عمل ریکارڈ ہو رہا ہے، موت کو تو اچانک آجانا ہے، جس نے خیر و بھلائی کے بیج بوئے وہ ثواب و انعام کے پھل توڑے گا اور جس نے نافرمانی و برائی کی ہوگی، ندامت و شرمندگی اس کا نصیبہ ہوگی، جو بوئے گا وہی کاٹے گا، اور ہاں یاد رکھو! حریص و لالچی کو اس کے مقدر سے زیادہ نہیں ملتا اور سست و کاہل اپنے ہی حصہ سے محروم رہ جاتا ہے، خیر و خوبی کی توفیق اگر کسی کو مل جائے تو اسے اللہ کی عنایت و انعام سمجھے، برائی اور گناہ سے بچنا بھی اس کی مدد کے بغیر بالکل ممکن نہیں، متقی اور پرہیزگاروں کے رتبے سب سے بلند ہوں گے اور وہ اونچی مسندوں پر فائز ہوں گے۔

کبھی ہم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اس دنیا میں ہم ان مسافروں کی طرح ہیں جو کسی ٹرین پر سوار ہو جاتے ہیں پھر وہ ٹرین میں بیٹھ جائیں یا کھڑے رہیں، ٹرین کی رفتار، شور و آوازوں، اس میں موجود سہولتوں، لوگوں کی بھیڑ سے وہ راضی ہوں یا ناخوش، ٹرین ہر صورت میں اپنی منزل کی طرف گامزن رہتی ہے۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابوذر غفاریؓ کعبہ کی چوکھٹ کے پاس کھڑے ہو گئے اور بہ آواز بلند صدا لگائی: ''لوگو! میں جندب غفاری ہوں، میں جندب غفاری ہوں (ان کا پورا نام ابوذر رضی اللہ عنہ جندب بن جنادہ الغفاری تھا) ادھر آؤ، اپنے ایک خیر خواہ بھائی کے پاس آؤ، لوگ ان کی بات سن کر ان کے اردگرد جمع ہو گئے، کہنے لگے: اے صحابیِ رسول! کیا بات ہے؟ حضرت ابوذرؓ نے ارشاد فرمایا: لوگو! سچ سچ بتاؤ تم کسی سفر کا ارادہ کرتے ہو تو کیا اپنے ساتھ ضروری ساز و سامان اور زاد و توشہ نہیں رکھ لیتے جس کی وجہ سے تمہارا سفر آسان ہو جاتا ہے اور تم بہت سی مشقتوں اور کلفتوں سے محفوظ رہ جاتے ہو، لوگوں نے اثبات میں سر ہلایا، انہوں نے فرمایا: قیامت کا سفر تمہاری توقعات اور وہم گمان سے کہیں زیادہ کٹھن اور مشکل ہے، پھر منزل بھی حد سے زیادہ دور ہے، اس کے لیے بھی کچھ زاد راہ اور توشہ و سامان رکھ لو، مجمع نے پوچھا: سفر قیامت کی آسانی کے لیے کس زاد و توشے کا انتظام کریں؟ اور کس قسم کی تیاری کریں؟ فرمایا کہ: خیر و نیکی کے کام کرو، روز محشر کی جھلساتی ہوئی دھوپ سے بچنے کے لیے سخت گرمی میں روزے رکھو، قبر کی وحشت و تنہائی سے نجات پانے کے لیے رات کی تنہائی اور تاریکی میں دوگانہ ادا کر لیا کرو، بارگاہِ ایزدی میں کسی عرض

ونیاز کے قابل خود کو بنانا ہو تو خوبی و بھلائی کی بات کرو، شر و فساد کی باتوں سے بچو، صدقہ و خیرات کر کے اللہ تعالیٰ کے جلال و غضب کو ٹھنڈا کرو، عمر عزیز کو دو ہی کاموں میں لگاؤ: آخرت کی طلب و جستجو میں یا حلال مال کمانے میں، تیسرا کوئی بھی کام بے سود و نقصاندہ ہے، اپنی آمدنی اور کمائی کے دو ہی حصے کرو: ایک حصہ اپنے گھر والوں اور اہل و عیال پر خرچ کرو، دوسرا اپنی آخرت کے لیے محفوظ و منتقل کر دو، تیسرا کوئی بھی حصہ خسارے اور گھاٹے سے خالی نہیں ہے، پھر اپنی آواز مزید اونچی کر کے فرمایا: حرص و ہوس اور لالچ نے تمہیں ہلاکت و بربادی کے راستے پر ڈال دیا ہے، خدارا ہمیشہ اس وبا سے دور رہو"۔

زندگی کے شب و روز اور انسانوں کو دی گئی عمروں کی اس قدر و اہمیت کے پیش نظر اللہ رب العزت روز قیامت کفار کو انہیں عمروں کا حوالہ دے کر ارشاد فرمائیں گے: "بھلا کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی کہ جس کسی کو سوچنا سمجھنا ہوتا وہ سمجھ لیتا اور تمہارے پاس خبردار کرنے والا بھی آیا تھا، اب مزہ چکھو کیوں کہ کوئی نہیں جو ایسے ظالموں کا مددگار بنے"۔[سورۂ فاطر: ۳۷] اللہ تعالیٰ نے زندگی کی مدتوں اور انسان کی عمروں کو درس و نصیحت اور تازیانۂ عبرت بتایا ہے: "فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ" (کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟) حافظ ابن کثیرؒ نے آیت بالا کی تفسیر میں لکھا ہے کہ: یعنی کیا تم دنیا میں ایک لمبی عمر تک نہیں رہے؟ اگر تمہیں حق تعالیٰ کی نعمتیں اور انعامات سمیٹنا ہوتا تو عمر کی درازی اور زندگی کی مہلت سے فائدہ اٹھاتے۔ اور حضرت قتادہؒ نے اس سلسلے میں فرمایا کہ لمبی عمر اور دراز زندگی ایک حجت ہے، لمبی عمر دے کر عار دلائے جانے اور جتائے جانے سے اللہ ہمیں پناہ میں رکھے۔

حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ اس شخص کے عذر و بہانے کو رد فرما دیں گے جسے لمبی عمر دی گئی ہو یہاں تک کہ وہ ساٹھ سال کا ہو جائے (ساٹھ سال تک اللہ تعالیٰ کوئی عذر قبول نہیں فرماتے، اس کے بعد اللہ چاہے تو کوئی عذر قابل قبول بھی ہو سکتا ہے) مگر افسوس اس بات کا ہے کہ بہت سے لوگ عمر عزیز کے ان ہی بیش بہا اور قیمتی سالوں کو بدمستیوں، سرکشیوں اور نافرمانیوں کی نذر کر دیتے ہیں، ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ: ہم کچھ دوست واحباب ایک ستر سالہ آدمی کے پاس گئے جو کسی دوکان میں ساز و نغمہ اور گانے بجانے کی کچھ چیزیں خرید رہا تھا، ہم نے اس سے کہا: اے بوڑھے شخص! تمہارے سر کے بال سفید ہو چکے ہیں، تمہاری عمر ستر سے بھی تجاوز کر چکی ہے، اس سے پہلے کہ ہم اپنی بات مکمل کرتے، وہ ہم پر چلانے لگا: نکل جاؤ یہاں سے، محمد بن ابراہیم نے کسی وقت یہی باتیں بتا کر مجھے نصیحت کی تھی، میں نے ان کی بات نہ مانی اور اب تک بھی میرا کچھ نہیں بگڑا تو کیا تمہاری بات مان لوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کی دو نعمتیں ایسی ہیں جن کی بابت بہت سے لوگ غفلت و کوتاہی اور دھوکے میں مبتلا ہو جاتے ہیں، ایک صحت و تندرستی، دوسری فرصت و فارغ البالی (بہ روایت عبداللہ بن عباسؓ)۔

بڑی عجیب بات ہے کہ اگر کوئی دس روپے سے بھی بہت کم قیمت والی چیز دس ہزار روپے میں خریدتا ہے تو ہم اسے ناواقف و فریب خوردہ، پاگل و بے چارا کہتے ہیں حالانکہ ہماری اپنی عمروں اور زندگیوں کا سودا روپیوں اور ٹکوں سے بھی بہت کم، انتہائی گھٹیا قیمتوں پر ہو رہا ہے اور بدلے میں ایسی بے فائدہ بلکہ نقصاندہ چیزیں ہم اپنے ہاتھ میں لے رہے ہیں جن سے اللہ کے غضب و ناراضگی اور آخرت میں رسوائی و شرمندگی کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

یقین کیجیے کہ ہم صرف اس شخص کی طرح نہیں جسے بازار میں دو تین ہزار کا خسارہ نقصان ہو گیا ہے بلکہ ہمارا حال اس بے وقوف اور لاچار کی طرح ہے جس نے عمر کے آخری مرحلے میں زندگی بھر کی جمع پونجی خود ہی لٹا دی اور ضائع کر دی ہو کہ اب دامن بھی خالی ہو گیا اور کچھ کرنے کے لیے مہلت و فرصت بھی نہیں رہی۔

کہتے ہیں کہ ایک جھکی اور خمیدہ کمر والا کمزور بوڑھا شخص، ایک تندرست و توانا جوان کے پاس سے گذرا، تو وہ نوجوان اس کی ہنسی اڑاتے ہوئے کہنے لگا: بڈھے! تمہاری کمر اتنی جھک کیوں گئی ہے، اس نے جواب دیا: بیٹا! اگر تجھے بھی اتنی لمبی عمر مل جائے تو تیری کمر اس سے بھی زیادہ جھکی ہوگی، اس لیے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرمایا کرتے تھے کہ: "انسان کی زندگی میں دن و رات کا آنا جانا لگا رہتا ہے، شب و روز کی گردش کبھی رکتی نہیں ہے تو انسان کو بھی روز و شب عمل کرتے رہنا چاہیے"۔

امام احمدؒ کا ملفوظ ہے کہ: "نوجوانی تو ایک چھوٹے سے شگوفے اور کلی کی طرح ہے جو کھلتی ضرور ہے مگر مرجھانے اور سوکھ جانے کے لیے، پھر بھی لوگ لمحوں اور صدیوں میں بدلتے رہنے، سورج کے ابھرتے اور ڈوبتے رہنے، دن و رات کے آنے جانے اور ایک سال کے ختم ہو کر دوسرے کے شروع ہو جانے سے سبق حاصل نہیں کرتے: "اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیَاتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ"۔

(ترجمانی: اکرام الحسن)

☆☆☆☆☆

حدیث دل

اہل بیت کی محبت ایمان کی علامت

.....مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ (مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع) خم نامی تالاب (غدیرخم) کے پاس کھڑے خطبہ دے رہے تھے، آپؐ نے حمد وثنا اور وعظ ونصیحت کے بعد فرمایا، امابعد! میں بھی ایک آدمی ہوں، قریب ہے کہ میرے پروردگار کا قاصد میرے پاس آئے، اور میں اس کو قبول کروں، (اور اس دنیا سے رخصت ہوجاؤں) میں تم میں دو اہم چیزیں چھوڑ رہا ہوں، اول اللہ کی کتاب، (قرآن مجید) ہے، جس میں ہدایت ونور ہے، پس تم اللہ کی کتاب لو اور اس کو مضبوطی سے پکڑو، پھر اللہ کی کتاب کی ترغیب دلائی، پھر فرمایا: میرے گھر والے، میں تم کو یاد دلاتا ہوں ان کے بارے میں اللہ کو، تم کو یاد دلاتا ہوں ان کے بارے میں اللہ کو۔

مذکورہ بالا حدیث میں ثقلین کا جو لفظ ذکر کیا گیا ہے، اس کی تشریح میں بعض علماء بھی پریشان ہوتے ہیں، لیکن اگر غور کیا جائے تو بات واضح ہے، وہ یہ کہ قرآن مجید میں ایک جگہ انسانوں اور جنوں کے تعلق سے فرمایا گیا ہے: "سَنَفْرُغُ لَكُمْ أَيُّهَا الثَّقَلَانِ" [الرحمٰن:۳۱] جس سے یہ معلوم ہوا کہ انسان اور جن دونوں کو اللہ تعالیٰ نے باوزن بنایا ہے، اور باوزن اس طور پر بنایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام ملائکہ کو انسان کے آگے سجدہ کا حکم دیا، گویا کہ جب تمام فرشتوں نے آپ کو سجدہ کیا تو آپ مسجود ملائکہ ہوئے، لہٰذا جب آپ کو خود اللہ تعالیٰ نے مسجود الملائکہ بنادیا تو یہ کسی انسان کے لیے کیسے روا ہوسکتا ہے کہ وہ کسی اور مخلوق کے آگے سجدہ کرے، یا کسی کو خدا کا شریک ٹھہرائے، لہٰذا اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو گویا کہ اس نے اپنے کو بے وزن کردیا، کیونکہ انسان اسی وقت تک باوزن رہے گا جب تک وہ اللہ تعالیٰ کا ساجد رہے گا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صرف اپنی عبادت کا حکم دیا ہے نہ کہ دنیا کی کسی اور مخلوق کے بارے میں حکم دیا ہو کہ اس کی بھی عبادت کی جائے، لہٰذا قرآن مجید میں آتا ہے: "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ" [الذاریات:۵۶] یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

لہٰذا ہر انسان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرے، ورنہ وہ ہلکا ہوجائے گا، کیونکہ اللہ نے آپ کو اپنے آگے جھکنے کے علاوہ کسی کے بھی سامنے جھکنے سے منع فرمایا ہے، اس لیے کہ جو خدا کو چھوڑ کر دوسروں کے آگے سر جھکاتے ہیں وہ اپنے شرک کرنے کی وجہ سے ہلکے ہوجاتے ہیں، اور ان میں ثقل باقی نہیں رہتا، جس کی دلیل قرآن مجید کی وہ آیت ہے جس میں فرمایا گیا ہے: "وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ" [الحج:۳۱] یعنی اس کا حال یہ ہے کہ آسمان سے کوئی گرے اور ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے یا پرندے اس کو لے کر اڑیں، یا ہوائیں اپنے دوش پر اڑا کر دور جا کر پھینک دیں، لہٰذا اس آیت سے صاف معلوم ہوگیا کہ انسان کو شرک بے وزن بنادیتا ہے، اور صرف اللہ کی عبادت کرنا اس کو باوزن برقرار رکھتا ہے۔

لیکن یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کی عبادت کس طریقہ سے کی جائے، کہ بندہ باوزن رہ سکے؟ اسی کا جواب دیتے ہوئے حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے: "علیکم بالثقلین" یعنی اگر کوئی یہ چاہتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو باوزن بنایا ہے وہ اسی طرح باوزن رہے تو اس کو چاہیے کہ وہ دو باوزن چیزوں سے وابستہ ہوجائے، پھر شرک کی مسموم ہوائیں بھی اس کو اڑانے سے قاصر رہیں گی، جس طرح اگر کوئی ہلکی چیز ہو اور وہ بار بار اڑ رہی ہو لیکن اگر اس کے اوپر کوئی بھاری پتھر رکھ دیا جائے یا اس کو کسی چیز سے باندھ دیا جائے تو وہ چیز نہیں اڑتی ہے، اسی طرح آج کے اس پرخطر دور میں کوئی اپنے کو باوزن بنانا چاہتا ہے اور اڑنے سے محفوظ ہونا چاہتا ہے تو اس کے لیے اولاً یہ ضروری ہے کہ وہ اللہ کی مضبوط رسی سے اپنے کو باندھ لے، اسی لیے مذکورہ بالا حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ کتاب اللہ کو مضبوطی سے پکڑلو، اور خود قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے: "وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا" [آل عمران:۱۰۳] یعنی تم اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔

اس کے بعد دوسری چیز بیان کی "وأهل بیتی"، اب یہاں یہ مشکل پیش آتی ہے کہ اس کی تشریح کس طرح کی جائے؟ اور اس سے کیا مراد

ہوگا؟ لہٰذا بعض علماء کہتے ہیں کہ ایک ثقل سے مراد کتاب اللہ ہے اور دوسرے ثقل سے مراد سنت رسول اللہ ہے، لیکن ایسا نہیں ہے کیونکہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ایک ہی چیز ہے، اس لیے کہ جہاں پر کتاب اللہ کہا جائے گا وہاں پر سنت رسول اللہ خود مراد ہو جائے گا، کیونکہ صرف کتاب اللہ ہی کو اگر سامنے رکھا جائے اور اس کے ساتھ سنت رسول اللہ کو نہ دیکھا جائے تو بہت سے ایسے مسائل ہیں جن کا حل بغیر سنت کی طرف رجوع کیے ممکن نہیں ہے، اور یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے صرف کتاب اللہ کو کافی سمجھا اور سنت کو نہیں مانا وہ لوگ فکری انحراف میں مبتلا ہو گئے، یہاں تک کہ ایمان ہی سے خارج ہو گئے، اس لیے کتاب اللہ کے ساتھ سنت رسول اللہ کا ہونا لازمی ہے، تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ کیا چیز صحیح اور کیا غلط ہے؟

دوسرے ثقل سے مراد جس کو حدیث شریف میں "أهل بيتي" کہا گیا ہے کہ ان کو لازم پکڑلو، اس کے اندر نمبر ایک پر وہ علماء مراد ہیں جو آپ کے نسبی اعتبار سے گھر کے افراد میں سے ہوں، اور پھر دینی کام کرنے اور اشاعت حق میں بھی پیش پیش ہوں، اور دوسرے نمبر پر وہ علماء مراد ہیں جو اگرچہ آپ کے نسبی اعتبار سے گھر والوں میں سے نہ ہوں، لیکن دینی کام اور آپ کی سنتوں کے پابند ہوں، کیونکہ اہل میں وہ شمار ہوتا ہے جو اپنے اسلامی تشخص کو برقرار رکھے، لہٰذا اگر کوئی خاندان میں سے ایسا فرد موجود ہو جو کہ اسلامی وقار کا حامل ہو تو بہت اچھی بات ہے، اس کی اقتداء بدرجہ اولیٰ لازم ہوگی، لیکن اگر خاندان میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی دوسرا ایسا شخص ہے جو کہ دین دار تو ہے لیکن خاندان میں سے نہیں ہے تو پھر اسی کی اقتداء کو ترجیح دی جائے گی، اور اسی کی صحبت اختیار کرنا بہتر ہوگی، تاکہ کتاب اللہ کو سمجھنا آسان ہو سکے۔

لیکن آج کل صحبت صالحین کا فقدان ہوتا چلا جا رہا ہے، لوگ صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر ہی اکتفاء کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ صرف اس سے کام نہیں چلے گا بلکہ اللہ کے وہ نیک بندے جن کو اللہ نے علم میں رسوخ عطا فرمایا ہے ان کی صحبت کا اختیار کرنا ضروری ہے، جن کو قرآن مجید میں اس طرح یاد کیا گیا ہے:

"وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ" [آل عمران:۷] یعنی جو لوگ علم میں رسوخ رکھتے ہیں وہ یہی کہتے ہیں کہ سب چیز ہمارے رب کی طرف سے ہے لیکن اس سے وہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں جو عقل رکھنے والے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے باوزن ہونے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ علم میں گہرائی رکھنے والوں کی خدمت میں رہے۔

لیکن کسی کی خدمت میں رہنے سے پہلے یہ ضرور دیکھ لینا چاہیے کہ وہ علم میں رسوخ رکھتا بھی ہے یا نہیں؟ اور علم میں رسوخ رکھنے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں کبھی بھی کوئی تردد پیش نہ آئے، بلکہ نہایت سکون سے ہر مسئلہ کو سلجھاتا ہوا وہ آگے بڑھ جائے، چاہے اس کے سامنے اعتراضات کا ایک انبار ہو لیکن اس کے دل میں ذرہ برابر بھی تردد پیدا نہ ہو۔

حضرت سید احمد شہیدؒ جو بظاہر اتنے بڑے عالم نہیں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو راسخین کی خدمت میں رہنے کے نتیجہ میں جو رسوخ عطا فرمایا تھا، اس کی ایک مثال دینے سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ راسخ فی العلم کس کو کہا جاتا ہے؟ ایک مرتبہ حضرت سید صاحبؒ سے کسی نے سوال کیا کہ حدیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ ایک مرتبہ کسی کام سے باہر گئے تو ایک خاتون پر نظر پڑی جو آپ کو اچھی لگیں، لہٰذا آپ فوراً گھر تشریف لائے اور پھر آپ نے فراغت حاصل کی، اس حدیث کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا، تو حضرت سید صاحبؒ نے حکیمانہ جواب دیتے ہوئے فرمایا: کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ کو نعوذ باللہ کسی خاتون کو دیکھ کر کوئی غلط خیال آیا تھا بلکہ جس طرح سے کوئی بہت شریف اور مالدار آدمی کہیں راستہ میں کسی ضرورت سے جا رہا ہوتا ہے اور اس کو پیشاب کا بھی تقاضہ ہوتا ہے لیکن چونکہ اس کو اپنے کام کی اتنی فکر ہوتی ہے کہ وہ پیشاب کرنا ہی بھول جاتا ہے اور اپنے کام میں مست رہتا ہے کہ اچانک وہ راستہ چلتے ہی کسی شخص کو دیکھتا ہے جو نالی پر بیٹھ کر پیشاب کر رہا ہوتا ہے تو اس وقت اس کو بھی اپنا تقاضہ فوراً یاد آجاتا ہے کہ مجھے بھی پیشاب لگا ہوا ہے مگر میں کر نہیں سکا تھا، اور وہ اس کے بعد بھی اس وقت یوں ہی عام راستہ پر پیشاب نہیں کرتا ہے کیونکہ وہ شریف انسان ہے، بلکہ فوراً گھر واپس آتا ہے اور اپنی حاجت کو پورا کرتا ہے، فرمایا: اسی طرح اس حدیث میں آپ ﷺ کے ساتھ پیش آیا ہے، کہ آپ کو اگرچہ بشری تقاضہ تھا لیکن اپنے کاموں میں مصروفیت کی وجہ سے اس کو بھول گئے تھے لہٰذا جب یاد آیا تو فوراً اس تقاضہ کو بھی پورا کیا۔

مذکورہ بالا حدیث کا آخری جملہ ہے کہ ''میں اہل بیت کے سلسلہ میں تم کو اللہ کی یاد دلاتا ہوں''، یعنی ان کے بارے میں نہ کوتاہی ہونا چاہیے اور نہ ہی کوئی بے جا خیالی، دونوں ہی غلط ہیں، جیسا کہ شیعوں نے اہل بیت کو اتنا بڑھا دیا کہ نبوت کا درجہ بھی ہیچ ہوگیا، یہاں تک کہ خمینی- جو بہت روشن خیال سمجھے جاتے تھے اور نہ جانے ان کو لوگ کتنا بڑا سمجھتے تھے یہاں تک کہ ہمارے بہت سے لوگ بھی ان کے شکنجہ میں گرفتار ہوگئے- انہوں نے اپنی کتاب الحکومۃ الاسلامیۃ میں یہ بات لکھ دی کہ امامت کا اتنا اونچا مقام ہے کہ اس تک کوئی نبی یا کوئی فرشتہ بھی نہیں پہنچ سکتا ہے، لیکن ظاہر بات ہے کہ یہ سب ان کی من گڑھت باتیں ہیں، جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

ان کا دوسرا یہ بھی عقیدہ ہے کہ گیارہ امام پیدا ہوئے اور بارہویں امام حضرت مہدی پیدا ہوئے، لیکن پیدائش کے بعد وہ غائب ہوگئے، اسی لیے ان کے اس عقیدہ کو دیکھ کر ہم نے کہا کہ انہوں نے اپنی مشکل کو خود ہی حل کر دیا وہ یہ کہ ان کے پاس ہدایت گیارہ اماموں تک باقی رہی، لیکن چونکہ ان کے نزدیک ان کے بارہویں امام ہی غائب ہوگئے لہٰذا ہدایت بھی غائب ہے۔

یہ بات ذہن نشین رہنا چاہیے کہ یہ سارے ائمہ اپنی اپنی جگہ پر بالکل درست ہیں، کیونکہ یہ سب بہت اللہ والے تھے، بسا اوقات لوگ ان کو بھی غلط سمجھ بیٹھتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ غلط یہ شیعہ حضرات ہیں جو ان کی شبیہ کو گندا کرتے ہیں، کیونکہ یہ حضرات تو اپنے زمانہ کے غیر معمولی اللہ والے ہیں، یہاں تک کہ ائمہ اربعہ ان کا احترام کیا کرتے تھے، خلاصۃ عرض یہ ہے کہ ان حضرات کا بہت اونچا مقام ہے۔

امام مہدی کے تعلق سے آج کل ایک اشکال بہت عام ہے جس کا حل کرنا بھی یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ امام مہدی پیدا ہوگئے یہاں تک کہ ہمارے بعض علماء بھی بسا اوقات اس کے اندر مبتلا ہوجاتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ امام مہدی پیدا ہوگئے، اور بعض کا کہنا ہے کہ وہ پیدا ہوچکے ہیں کیونکہ ہم نے خواب میں دیکھا تھا کہ وہ اس وقت دس سال کے ہیں، لہٰذا اس سلسلہ میں سب سے پہلے ایک بات یہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ امام مہدی پیدا ہوں یا نہ ہوں ہم کو اپنا کام کرنا ہے، البتہ وہ جب آئیں گے تو امامت کے لیے وہ خود ہی سامنے آجائیں گے، اگر یہ خیال رہے تو پھر انسان کو دعوت کا کام کرنا بھی آسان رہے گا ورنہ بعض دفعہ شیطان انسان کو اس طرف سے بھی بہکاتا ہے کہ جب امام مہدی آئیں گے تبھی دنیا کے حالات درست ہوں گے لہٰذا تم ابھی سے دعوت دین کا کام کرکے کیا کروگے؟ اس لیے ہر انسان کو اپنے ذہن سے یہ خلش بالکل نکال دینا چاہیے اور یہ سوچنا چاہیے کہ جو ذمہ داری اللہ نے میرے اوپر عائد کی ہے میرا کام اس کو انجام دینا ہے البتہ میرے اس کام کے نتائج تو اللہ کے ہاتھ میں ہیں، ورنہ اگر کوئی اس فکر میں بیٹھ جائے کہ امام مہدی آنے والے ہیں تب کام بن جائے گا تو بلاشبہ یہ شیطان کا ایک دھوکہ ہوگا جو کہ ہمیشہ سے رہا ہے، کیونکہ آج سے دوسو سال قبل بھی بعض بڑے لوگوں نے یہ کہا تھا کہ امام مہدی پیدا ہوگئے لیکن آج تک ظہور نہیں ہوسکا، یہاں تک کہ اسی بنیاد پر فرقے بننے کی بھی نوبت آگئی تھی، کیونکہ اس وقت ایک بہت بڑے بزرگ تھے جن کے ساتھ کم وبیش پانچ سو علماء بھی رہتے تھے، اور ان کی خانقاہ میں ہزاروں آدمی بھی رہائش پذیر تھے، انہوں نے مستقل تین دن یہ خواب دیکھا کہ آپ ﷺ ان سے فرمارہے ہیں: "أنت المهدی" اس لیے انہوں نے اپنے مہدی ہونے کا اعلان کردیا، حالانکہ جب ایک معبر بزرگ سے اس خواب کی تعبیر پوچھی گئی تو انہوں نے بتایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ ہدایت کے راستہ پر ہیں، نہ کہ مہدی موعود کو مراد لیا جائے، اسی لیے کہا گیا ہے کہ خواب کے چکر میں کبھی بھی نہیں پڑنا چاہیے کیونکہ خواب بھی بسا اوقات بہت بڑا دھوکہ ہوتا ہے، اس لیے شریعت میں خواب پر مدار نہیں رکھا گیا ہے، بلکہ اس کو مبشرات کی حد تک ماننے کی اجازت دی گئی ہے۔

مولانا محمد امین صاحب نصیر آبادیؒ جو کہ حضرت مولانا علی میاں رحمہ اللہ کے چچا بھی تھے اور آخری درجہ کے متبع سنت تھے، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کی وفات بھی ۶۳؍ سال کی عمر میں ہوئی، اور اسی محبت کا نتیجہ تھا کہ ان کے مقابلہ میں زیارت رسول کے تعلق سے شاید ہی کوئی آگے رہا ہو، لہٰذا ایک مرتبہ ان سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کو کبھی رسول ﷺ کی زیارت ہوئی ہے؟ تو فرمایا: الحمد للہ میرا کبھی ناغہ نہیں ہوتا، لیکن آج کل کے تخیلاتی، جھوٹے خواب والے حضرات کو دیکھ کر زیارت رسول کے تعلق سے ایک بات ارشاد فرماتے تھے کہ جو

آپ ﷺ کی زیارت کا دعوی کرے لیکن متبع سنت نہ ہو تو ایسا شخص جھوٹا ہے۔

حضرت سید احمد شہیدؒ جو کہ مسجد دائرہ شاہ علم اللہ میں رہتے تھے، اپنے زمانہ کی وہ بزرگ شخصیت ہیں جن کی بزرگی کو دنیا نے تسلیم کیا ہے، یہی وجہ تھی کہ تمام عبقری شخصیات جوق در جوق آپ کے پاس چلی آتی تھیں، اسی لیے آپ کو تاج العارفین کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، اور بزرگی کے اتنے بلند مقام پر فائز ہونے کا نتیجہ یہ تھا کہ عموماً آپ کا کشف والہام سچا ہوا کرتا تھا، لہٰذا انہی بزرگ ہستی کا امام مہدی کے تعلق سے یہ کہنا ہے کہ ابھی آٹھ سو سال تک ان کا وجود مجھے نظر نہیں آتا، لہٰذا ابھی سے کوئی اس بات کی فکر میں نہ رہے کہ امام مہدی کا ظہور ہونے والا ہے، بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر شخص اپنی ذمہ داریوں کو کما حقہ انجام دیتا رہے۔

البتہ جہاں تک شیعوں کا امام مہدی سے تعلق ہے، تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ان کے ذریعہ سے اپنا دھندا چلانا چاہتے ہیں، جس کے کچھ حقائق انہوں نے اپنی ایک کتاب "الامام المهدی عند الشیعة" کے اندر بھی ظاہر کیے ہیں، لیکن ان سب سے قطع نظر ہم کو یہ بنیادی بات ذہن میں رکھنا چاہیے کہ ابھی ان کا ظہور ہونے والا نہیں ہے، البتہ جب ظہور ہوگا تو اللہ تعالیٰ ان کی پہچان خود بخود اپنی مدد سے ہر انسان کو کرادے گا، بس یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ اخیر زمانہ میں ان کا ظہور ہوگا، لیکن وقت سے پہلے اگر کوئی شخص ان کی تلاش میں رہے تو سعی لا حاصل کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

☆☆☆☆☆

ایک علمی، فکری و تحقیقی پیش کش

شیعیت-تحلیل وتجزیہ

تالیف:-محمد نفیس خاں ندوی

شیعوں کی تاریخ، ان کے عقائد ونظریات اور مذہبی رسومات کی تفصیلات نیز اسلام واہل اسلام پر شیعوں کے اعتراضات اور ان کے علمی وتحقیقی جوابات۔

صفحات:- 336 قیمت:-200روپئے

رابطہ

رابطہ: سید احمد شہید اکیڈمیؒ رائے بریلی

موبائل نمبر:9919331295

(سات جلدوں پرمشتمل) آسان ہندی زبان میں ترجمہ وتفسیر

تفسیر فاروقی اور ہندی ترجمہ قرآن مجید کا پیغام

از -(مولانا) مفتی محمد سرور فاروقی ندوی

یہ مسلم وغیر مسلم اور نومسلموں کے لیے آسان ہندی زبان میں تفسیر ہے جس میں ہر روز کے سبق کے اعتبار سے تقریباً دس دس آیتوں کا ترجمہ پھر ہر آیت کی الگ الگ تفسیر نمبر ڈال کر لکھی گئی ہے، پھر ہر آیت کا پہلے شان نزول، اس سے متعلق احادیث اور مسائل کے ساتھ غیر مسلموں کے عقائد وسوالوں کے جوابات اور سائنسی تحقیق وفضائل کا ذکر کیا گیا ہے۔

ناشر: مکتبہ پیام امن، ندوہ روڈ، ڈالی گنج، لکھنؤ

موبائل نمبر:09919042879, 0998449015

پیام ربانی

توفیق وہدایت کا راستہ

.....مولانا سید صہیب حسینی ندوی

قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے نازل کیا ہے، قرآن کریم مکمل ہدایت نامہ، گائڈ بک اور زندگی کا روز نامچہ ہے، ساری انسانیت کے لیے ہدایت کا ذریعہ ہے، ارشاد ربانی ہے: "هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ" (لوگوں کے لیے ہدایت اور حق وباطل میں واضح فرق کرنے اور تمیز کرنے والی کتاب)، جب قرآن کریم سب کے لیے ہدایت نامہ ہے، تو دنیا میں انسانیت کیوں بھٹک رہی ہے، اور پیدائشی کلمہ گو کیوں قرآن کریم سے دور ہوتے جارہے ہیں، اور یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ اس کو پڑھنے والے، اس کی ہدایت اور توفیق سے کیوں دور نکل جاتے ہیں، یہ وہ سب سوالات، اشکالات اور وسائس ہیں جو ذہن ودماغ میں گردش کرتے رہتے ہیں، اور انسان کو محرومی و مایوسی کا شکار بنادیتے ہیں، اور بہت سے شکوک و شبہات کو جنم دیتے ہیں، یہ سب باتیں قرآن کریم کا سرسری مطالعہ کرنے اور چند آیات کو سامنے رکھ کر بات کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہیں، اگر قرآن کریم کو گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا جائے، اور اس کو عملی طور پر سمجھنے کے لیے سیرت پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روشنی حاصل کی جاتی رہے، تو مذکورہ ساری چیزوں کا حل سمجھ میں آجائے گا، اور توفیق و ہدایت کے ساتھ ایمان کامل نصیب ہوجائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے ہدایت وتوفیق اپنے قبضہ میں رکھی ہے، اور یہ وہ چیز ہے جو نبی کے قبضہ میں بھی نہیں دی، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَاءُ" (آپ اس کو ہدایت نہیں دے سکتے جس کو چاہیں، اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے)۔

اب ہم کو یہ دیکھنا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہدایت کس کو دیتا ہے، اور اس ہدایت کو حاصل کرنے کے لیے کیا کیا ذرائع اور اسباب ہیں، اگر اس کو آسان اور عام فہم انداز میں سمجھنا ہو تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت وتوفیق پانے کے دو بنیادی سبب ہیں: ۱- اپنے اندر طلب والی اور بچنے والی صفت پیدا کرنا، ۲- اللہ تعالیٰ سے لو لگانا اور دعاؤں کا اہتمام کرنا۔

اب ان دونوں اسباب کو جاننے کے لیے ہمیں قرآن کریم کی طرف لوٹنا پڑے گا، اللہ تعالیٰ نے انسان کی زبانی "اِهْدِ نَا الصراطَ المستقيمَ" کی ایسی دعا سکھائی ہے، کہ جس کو ہر نماز کی ہر ہر رکعت میں مانگنا ضروری ہے، اور اس کے فوراً بعد سورۂ بقرہ کی ابتدا میں اس ہدایت کو پانے کے لیے واضح قطعی اور شک وشبہ سے پاک کتاب، کتاب ہدایت عطا کردی، لیکن یہ بھی کہدیا کہ ہے تو ساری انسانیت کی رہنمائی والی کتاب، لیکن اس سے فائدہ صرف وہی اٹھائیں گے، جن کے اندر طلب کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو احکام شریعت کے خلاف کرنے سے بچنے کی بھی صفت ہوگی، اپنے جسم کو بھی اچھائیوں میں لگا کر برائیوں سے بچانا، اور مال کو بھی صحیح جگہوں سے حاصل کرکے صحیح مصرف میں خرچ کرنا، یہ وہ باتیں ہیں جو بظاہر نظری ہیں، ہم ان کو کیسے جانیں اور کیسے ان پر عمل کریں، اس کے لیے اللہ تعالیٰ ہمیں مزید دعا سکھاتے ہوئے فرمایا: "صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" (ان لوگوں کا راستہ دکھا جن پر تو نے انعامات فرمائے ہیں)، یہ منعم علیہم کون لوگ ہیں؟ ان کی پہچان کیا ہے؟ دنیا والے تو یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا میں مال ودولت، آرائش وزیبائش اور تعیش کی زندگی فضل خداوندی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس بات کو دنیا والوں اور انسانوں کے اوپر نہیں چھوڑا، ورنہ وہی مفہوم نکلتا جو اہل دنیا سمجھتے ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود منعم علیہم کی تفسیر اس طرح بیان کردی ہے: "اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا" (جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمادیا ہے، وہ انبیاء، صدیقین، شہداء، اور نیک لوگوں کی جماعت ہے، اور یہ سب بہترین دوست اور ساتھی ہیں)۔

اس آیت کریمہ میں چار قسم کے لوگوں کے راستہ پر چلنے کو ہدایت کا راستہ اور منعم علیہم کا راستہ بتلایا گیا ہے، اسی بات کو نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث شریف میں اس طرح بیان فرمایا ہے: "جس طرح یہود ونصاریٰ نافرمانی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے بہتّر فرقوں میں بٹ گئے، ہماری امت بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کی وجہ سے تہتر فرقوں اور ٹولیوں میں بٹ جائے گی، اور سب جہنم میں جائیں گے سوائے ایک جماعت کے، وہ جماعت جنت میں جانے کی مستحق ہوگی"، یہ بات جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سنی تو بہت پریشان ہوگئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ وہ کون سی جماعت ہے جو ہدایت یافتہ اور نجات دہندہ بن کر

جنت والی ہوجائے گی،اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:"ما أنا علیه وأصحابی" (میرے طریقہ اور میرے صحابہ کے طریقے پر جو جماعت کام کرے گی،وہی نجات پانے والی ہوگی)۔

اب سب سے پہلے ہمیں قرآن کریم کی روشنی میں چار قسم کے لوگوں کو نمونہ بنا کر حالات کو سامنے رکھتے ہوئے طلب کے ساتھ ساتھ قدم بڑھاتے چلے جانا ہے،اگر ہم بڑھتے چلے گئے،جہد مسلسل اور عمل پیہم کو اپنا شعار بنالیا،تو ہماری دین ودنیا کی ترقیوں میں کوئی بھی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی،بلکہ مختلف دنیوی راہیں کھلتی چلی جائیں گی،ارشاد ربانی ہے:"وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا" (جولوگ ہمارے لیے محنت کرتے رہتے ہیں،ہم ان کے لیے راستے کھولتے چلے جاتے ہیں)،اسی بات کو دوسری جگہ اس طرح بیان فرمایا ہے:"اِنْ تَنْصُرُوْا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ" (اگر تم اللہ تعالیٰ کی مدد میں لگے رہوگے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کے ساتھ ثابت قدمی عطا فرما دے گا)،اللہ تعالیٰ کے ہاں نجات پانے اور ہدایت یافتہ ہونے کے لیے طلب اور محنت کے ساتھ ان چار منعم علیہم کی زندگیوں کو سامنے رکھتے ہوئے کام کرنے کا حکم ہے،یہی چیز دنیا کے چین وسکون،اور دینی ترقیوں کا ذریعہ ہے،اس کے باوجود دنیا میں جو پریشانیاں اور مصائب آتے ہیں،وہ کفارۂ سیئات اور رفع درجات کا ذریعہ بنتے رہتے ہیں،اسی لیے ایک حدیث شریف میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:"مومن کی زندگی عجیب وغریب ہے،یعنی ہر حالت میں باعث خیر ہے،جب نعمتیں اور راحتیں ملتی ہیں،تو شکر کرتا رہتا ہے،اور شکر کرنا اس کے لیے بہت بہتر ہے،اور جب مصیبتیں اور پریشانیاں لاحق ہوتی ہیں،تو صبر کرتا ہے،اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔

اب ہمیں سب سے پہلے دعا کے بارے میں جاننا ہے کہ شریعت مطہرہ میں اس کی کیا اہمیت اور فضیلت ہے،ارشاد ربانی ہے:"وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ" (اور جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے پوچھیں تو آپ کہدیں کہ میں قریب ہی ہوں،پکارنے والا جب بھی پکارے، میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں) دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:"اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِیْنَ" (ہم سے دعائیں کیا کرو،ہم تمہاری دعاؤں کو قبول کرتے ہیں،اور جو لوگ دعائیں نہ کرکے کبروغرور کا راستہ اختیار کریں گے،عنقریب وہ ذلیل وخوار ہوکر جہنم میں داخل ہوجائیں گے)۔

اسی دعا کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:"الدعاء مخّ العبادة" (دعا عبادت کی جان اور مغز ہے)،ایک دوسری جگہ اس کی اہمیت ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ دعا کے ذریعہ ہر ہر کام ہوسکتا ہے، یہاں تک کہ تقدیر بھی بدل سکتی ہے،ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:"لایردّ القدر الا الدعاء" (تقدیر کو دعا ہی بدل سکتی ہے)۔

اس کے علاوہ قرآن وحدیث میں دعا کی فضیلت،اہمیت اور دعا میں لگنے کی بہت تاکید ہی نہیں بلکہ دعائیہ کلمات باقاعدہ سکھائے گئے ہیں، اب ہماری سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ ہم مانگ تو رہے ہیں،لیکن قدم ہمارے دوسری طرف اٹھ رہے ہیں،اور عمل ہمارا ہماری دعاؤں کے خلاف چل رہا ہے،اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے نعوذ باللہ مذاق کرنے والے اور توہین کرنے والے شمار ہونے لگتے ہیں،اس بات کو سمجھنے کے لیے دنیوی بادشاہوں اور ذمہ داروں پر قیاس کیا جاسکتا ہے،مثلاً آپ بادشاہ کے دربار میں جاکر کچھ طلب کریں،اور بادشاہ دینے لگے،اس وقت آپ منہ پھیر لیں،تو بادشاہ آپ سے اعراض ہی نہیں کرے گا بلکہ آپ اس کے نزدیک مذاق کرنے والے،اور کبروغرور کا راستہ اختیار کرنے والے سمجھے جائیں گے،اور سزا کے مستحق ہوں گے۔

یہی حال ہمارا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا جارہا ہے،ہم نے جب نماز کی ہر ہر رکعت میں ہدایت مانگی،تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے بندے!لو ہدایت نامہ قرآن کریم کی شکل میں "الٓمّٓ ،ذَالِكَ الْكِتَابُ لَارَیْبَ فِیْهِ، هُدیً لِّلْمُتَّقِیْنَ" (الم،یہ وہ کتاب ہے جس میں شک وشبہ کی گنجائش تک نہیں ہے،بچنے والوں کے لیے رہنمائی کرنے والی ہے) دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:"اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ" (بے شک یہ قرآن کریم سب سے صحیح رہنمائی کرنے والی کتاب ہے)،اور کہیں فرمایا:"لَایَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ ،تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ" (اس کتاب کے آگے اور پیچھے یعنی کسی بھی سمت سے باطل اس کے قریب بھی نہیں آسکتا ہے، حکمت سے پر اور قابل ستائش ذات کی طرف سے اس کو اتارا گیا ہے)۔

اب ہماری ذمہ داری ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعاؤں کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ ربط وتعلق

بڑھایا جائے، گناہوں کے لیے استغفار کی کثرت رکھی جائے، اور ہر ہر کام کے لیے قرآن کریم سے روشنی حاصل کرتے ہوئے سیرت پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عملی زندگی میں اختیار کر کے انفرادی، اجتماعی، دینی اور دنیوی ہر ہر میدان میں مثالی زندگی کا بہترین نمونہ پیش کیا جائے، جس دن امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طریقہ پر آجائے گی تو ان شاء اللہ غیر بھی اس کام کے قائل ہونے لگیں گے، یا کم سے کم اسلام سے نفرت اور دوری ختم ہوجائے گی۔

ہم نے آپ کے سامنے قرآن وحدیث کے چند نمونے پیش کیے ہیں، جس میں پوری صراحت کے ساتھ یہ بات واضح کردی گئی ہے کہ دین ودنیا کی کامیابی قرآن وحدیث کو تھام کر زندگی گذارنے میں ہے، اسی لیے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری وصیتوں میں سے ایک وصیت اور حکم یہ بھی ہے کہ اے امت محمدیہ کے قیامت تک آنے والے لوگو! میں تم سب کے لیے دو چیزیں یعنی قرآن وسنت چھوڑ کر جارہا ہوں، اگر تم نے مضبوطی کے ساتھ اس کو تھام لیا، اور عملی زندگی میں اختیار تو ہرگز گمراہی تمہارے قریب نہیں آسکتی ہے، اور کوئی بھی آدمی تم کو غلط راستہ پر نہیں ڈال سکتا ہے۔

لہٰذا اتنی صریح تعلیمات اور ہدایات کے باوجود آدمی بھٹکتا ہے، من مانی کرتا ہے، اپنے کو عقل کل کا مالک سمجھے، اور عجب وخود پسندی کا شکار ہوجائے تو اس سے بڑھ کر کوئی جہالت نہیں ہوسکتی، ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلَى شَاكِلَتِهٖ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا" (اے نبی! آپ سب کو بتلادیجیے کہ ہر ہر آدمی اپنے اعتبار سے کام کاج اور بھاگ دوڑ میں لگا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کون صحیح راستہ پر ہے)، یہ تو دعا کا ایک اثباتی پہلو ہوا، اس کے بعد مزید اللہ تعالیٰ نے منفی پہلو ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ بھی دعا مانگو: "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ" (اے اللہ! مغضوب علیہم اور ضالین کے راستہ سے ہم کو بچا)، مغضوب علیہم سے ضدی، سرکش، جان بوجھ کر اور کبر وغرور کے نشہ میں رہنے والے لوگ مراد ہیں، اور ضالین سے ہر گمراہی میں پڑنے والا شخص مراد ہے۔

لہٰذا اس پوری دعا سے معلوم ہوگیا کہ ہدایت اور توفیق ربانی کے لیے صرف دعا، عمل پیہم اور جہد مسلسل ہی کافی نہیں ہے، بلکہ اپنوں کو برائیوں سے، شریعت کے خلاف کاموں سے، اور قرآن وحدیث کے خلاف زندگی گزارنے والوں سے بچانا اور محفوظ رکھنا بھی ضروری ہے، جب ہی منزل مقصود، نجات دائمی، دنیا کا سکون، اور آخرت کی کامیابی نصیب ہوگی، اگر ہم کوڑے کے ڈھیر پر، غلاظت پر عطر ڈالتے رہیں گے تو نتیجہ خوشبو کی شکل میں کبھی بھی نہیں نکلے گا، بلکہ دیکھنے والے ہم کو بیوقوف، سنکی، بددماغ اور پاگل کے القاب سے یاد کریں گے، اور ہم اپنی توانائی اور مال کو ضائع کرنے والوں میں شمار کرلیے جائیں گے، جس طرح دنیوی اعتبار سے ایسا آدمی برا ہے، اسی طرح دینی اعتبار سے وہ آدمی بھی اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے، جو زندگی کا کچھ حصہ اچھا گذارے، اور کچھ حصہ قرآن وحدیث کے خلاف گذارے، یا دین کی بعض باتوں کو مانے اور بعض کو نہ مانے، اور خود اپنے کو دھوکہ میں رکھنے والا بن جائے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً، وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ" (اے ایمان والو! پورے دین میں پورے طور پر داخل ہوجاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو، اس لیے کہ وہ کھلا ہوا دشمن ہے)۔

اس آیت کی روشنی میں دین کامل پر مکمل طریقہ پر عمل کرنا ضروری ہے، یعنی ہمارے عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، اور اخلاق، قرآن وحدیث کے دائرہ میں اور اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں گذر رہے ہوں۔

یہ ہدایت اور توفیق ربانی حاصل کرنے کا وہ قرآنی وحدیثی نسخہ جس کو ہم نے اپنی زندگی سے کلی طور پر یا جزوی طور پر نکال دیا ہے، کوئی اعمال صالحہ میں لگا ہے، لیکن منہیات سے اپنے کو نہیں بچا رہا ہے، اور اکثریت ان لوگوں کی ہے جو اعمال صالحہ اور شرعی ڈیوٹی والے کام بھی نہیں کررہے ہیں، جس کے نتیجہ میں ہم دین کے بارے میں وسوسوں، شک وشبہ اور ہزاروں اشکالات سے گھرے ہوئے ہیں، ہم کانٹے بوئیں گے تو کانٹے ہی نکلیں گے، اور اگر ہم نے پھول کی کاشت کی تو پھول نکلنے کے ساتھ سب کو خوشبو سے معطر کردیں گے، جیسا سبب ہوگا نتیجہ بھی ویسا ہی نکلے گا، لیکن اللہ تعالیٰ نے نظام دنیا کو سبب ومسببات اور لازم وملزوم سے جوڑ رکھا ہے اور دنیا کو دارالعمل بنا کر آخرت کو دارالجزاء قرار دیا ہے، حقیقی انعام آخرت ہی میں جنت کی شکل میں ملے گا، یا پھر سزا جہنم کی شکل میں ہوگی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن وحدیث کی روشنی میں زندگی گذارنے والا بنائے اور منہیات سے ہم سب کی حفاظت فرمائے، حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد اچھی طرح ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین، وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین، وما توفیقی إلا باللّٰہ علیہ توکلت وإلیہ أنیب۔

☆☆☆☆☆

تاریخ اسلام

حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ

محمد وسیم اختر مفتی

حضرت خالد بن سعید کے دادا کا نام عاص بن امیہ تھا، ان کے پردادا امیہ بن عبد شمس قریش کے خاندان بنو امیہ کے بانی تھے، ان کی نسبت سے وہ اموی کہلاتے ہیں، عبد مناف پر ان کا شجرہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شجرہ سے جا ملتا ہے، عبد مناف آپ کے چوتھے، جبکہ حضرت خالد کے پانچویں جد تھے، حضرت خالد کی والدہ انھی کے نام سے ام خالد کنیت کرتی تھیں، ان کے نانا حباب بن عبد یالیل بن ثقیف (یا بنو خزاعہ) سے تعلق رکھتے تھے، ابو سعید حضرت خالد کی کنیت تھی۔

حضرت خالد بن سعید ان اصحاب رسول میں سے تھے جنہیں قرآن مجید نے "السَّابِقُونَ الأَوَّلُونَ" کی صفت سے متصف کیا ہے، ابن اسحاق کی بیان کردہ فہرست میں ان کا شمار پینتالیسواں ہے، جب کہ واقدی کا کہنا ہے کہ وہ حضرت ابوبکر کے ایمان لانے کے فوراً بعد، پانچویں نمبر پر مشرف بہ اسلام ہوئے، بعثت نبوی کے فوراً بعد حضرت خالد نے خواب میں دیکھا کہ وہ ایک گڑھے کے کنارے کھڑے ہیں جس میں آگ خوب دہک رہی ہے، گڑھا بہت بڑا اور بہت گہرا ہے، ان کا باپ انھیں اس گڑھے میں پھینکنے ہی لگا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پہلوؤں سے پکڑ لیا اور گرنے سے بچالیا، وہ گھبرا کر بیدار ہوئے اور کہا: اللہ کی قسم، یہ سچا خواب ہے، وہ سیدنا ابوبکر سے ملے اور خواب بیان کیا، انھوں نے کہا: تم سے بھلائی کا ارادہ کیا گیا ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرلو۔ ان کی اتباع کرنے اور دائرہ اسلام میں داخل ہونے سے تم جہنم کے اس گڑھے میں گرنے سے بچ جاؤ گے جس میں تمہارا باپ گرانے والا ہے، چنانچہ وہ اجیاد کے مقام پر آپ سے ملے اور پوچھا: یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کیا دعوت دے رہے ہیں؟ فرمایا: میں اس اللہ کی طرف بلاتا ہوں جو یکتا ہے اور کوئی اس کا شریک نہیں، آگاہ کرتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، تم جن پتھروں اور بتوں کی عبادت کرتے ہو، وہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں، ضرر دے سکتے ہیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں، نہ جان سکتے ہیں کہ کون ان کی پوجا کر رہا ہے اور کون نہیں۔ میں دعوت دیتا ہوں کہ ان کی بندگی چھوڑ دو، حضرت خالد نے فی الفور کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں، ان کے شہادت حق دینے پر آپ بہت خوش ہوئے، کچھ روایات کے مطابق وہ ساتویں یا آٹھویں خوش بخت تھے جو ایمان کی نعمت سے سرفراز ہوئے، حضرت خالد کے بھتیجے عبداللہ بن عمرو نے ان کا شمار تیسرا یا چوتھا اور ان کی بیٹی حضرت ام خالد نے پانچواں بتایا، حضرت ام خالد نے پہلے چار اہل ایمان کے نام بھی لیے: حضرت علی، حضرت ابوبکر، حضرت زید بن حارثہ، اور حضرت سعد بن ابی وقاص، سیدہ خدیجہ کا نام بھی شامل کرلیا جائے تو روایتوں کا تفاوت دور ہو جاتا ہے، ابن خلدون نے حضرت خالد سے پہلے ایمان قبول کرنے والوں میں حضرت بلال اور حضرت عمر بن عنبسہ کے نام لیے ہیں، انھوں نے حضرت سعد کے اسلام کو حضرت خالد سے موخر مانا ہے، قبول اسلام کے وقت حضرت خالد شادی شدہ تھے، ان کی اہلیہ امینہ (یا ہمینہ) بنت خلف نے ان کے ساتھ ہی خلعت ایمان پہنا، حضرت خالد کے بھائی حضرت عمرو بن سعید بعد میں ایمان لائے۔

ایمان لانے کے بعد حضرت خالد گھر سے غائب ہوگئے، حضرت خالد کے والد ابواحیحہ (سعید) کو پتہ چلا تو ان کے مشرک بھائیوں اور اپنے غلام رافع کو ان کی تلاش میں دوڑایا، انھیں پکڑ کر باپ کے سامنے لایا گیا تو اس نے خوب ڈانٹ پھٹکار کی، برا بھلا کہا اور ہاتھ میں پکڑی ہوئی چھڑی کے ساتھ خوب پیٹا، چھڑی ان کے سر پر ٹوٹ گئی تو کہا: تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا پیرو ہوگیا ہے، حالاں کہ تمہیں معلوم ہے کہ اس نے تمہاری قوم کی مخالفت کی، قوم کے معبودوں کو برا بھلا کہا اور تمہارے گزرے ہوئے آباء و اجداد کی عیب جوئی کی، حضرت خالد نے کہا: وہ صادق اور راست باز ہیں، واللہ، میں ان کی اطاعت میں آ گیا ہوں، باپ کا پارا اور چڑھ گیا، اس نے مزید مار پیٹ کی اور مکرر گالیوں سے نوازا، پھر کہا: چلا جا، جہاں چاہتا ہے، میں تمہارا دانہ پانی بند کردوں گا، انھوں نے جواب دیا: اگر تو میری خوراک بند کرے گا تو اللہ مجھے رزق دے دے گا جس سے زندہ رہ لوں گا، اس نے اپنے بیٹوں کو تاکید کی کہ تم میں سے کوئی اس سے بات بھی نہ کرے، چنانچہ حضرت خالد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے آئے اور آپ کے ساتھ رہنے لگے، اس وقت آپ نے علانیہ دعوت شروع نہ کی تھی، حضرت خالد بھی مکہ کے نواح میں تنہا نماز ادا کرتے، وہ اپنے والد کی سختی کے باوجود اسلام

چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئے تو اس نے انھیں مکہ کے ریگزار میں بھوکا پیاسا ڈال دیا، تین دن کے بعد وہ وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوئے۔

ایک بار حضرت خالد کے والد سعید بن عاص بیمار ہوئے تو کہا: اگر اللہ نے مجھے اس مرض سے شفا دی تو وادی مکہ میں ابن ابی کبشہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے رب کی بندگی نہ کی جا سکے گی، حضرت خالد بولے: اللہ انھیں شفا نہ دے، چنانچہ سعید نے اسی مرض میں وفات پائی۔

اسلام کی طرف سبقت کرنے والے اہل ایمان پر ایذائیں توڑنے میں قریش حد سے گزر گئے، تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: اللہ کی زمین میں بکھر جاؤ، پوچھا کہاں جائیں، یارسول اللہ آپ نے حبشہ کی طرف اشارہ کیا، اور فرمایا: وہاں کے بادشاہ کی سلطنت ظلم و جور سے پاک ہے، چنانچہ رجب ۵ نبوی میں حضرت عثمان بن مظعون کی قیادت میں پندرہ اصحاب کا پہلا قافلہ سوئے حبشہ روانہ ہوا، پھر کئی مسلمانوں نے حبشہ کا رخ کیا۔ حضرت خالد بن سعید اور ان کی اہلیہ حضرت امینہ بنت خلف حضرت جعفر بن ابو طالب کی معیت میں حبشہ گئے، حضرت خالد کے بھائی حضرت عمرو بن سعید اور ان کی اہلیہ حضرت فاطمہ بنت صفوان بھی ساتھ تھیں، اس قافلے کے سرسٹھ شرکاء کو شامل کر کے مہاجرین کی کل تعداد ترا سی ہوگئی۔

حضرت خالد بن سعید کی بیٹی حضرت ام خالد بیان کرتی ہیں کہ میرے والد چودہ برس حبشہ میں مقیم رہے، میں وہیں پیدا ہوئی، ۷ھ میں وہ حبشہ لوٹے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خیبر میں ملاقات ہوئی، آپ نے لوٹنے والے مہاجرین سے گفتگو فرمائی اور خیبر کی غنیمتوں میں سے حصہ دیا، ہم آپ ہی کے ساتھ مدینہ واپس آئے، میرے والد حضرت خالد عمرۂ قضا کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ گئے، انھوں نے اور میرے چچا حضرت عمرو بن سعید نے فتح مکہ اور غزوۂ تبوک میں حصہ لیا، حضرت خالد بن سعید حنین اور طائف کی جنگوں میں شریک رہے، حضرت خالد کو آپ نے صدقات و زکوٰۃ کی وصولی کے لیے یمن (مذحج) کا عامل (collector) مقرر کیا، آپ کے حکم پر وہ صنعاء کے عامل بھی رہے۔

حضرت خالد بن سعید اور حضرت عمرو بن سعید نے حبشہ سے آ کر مکہ میں مقیم اپنے مشرک بھائی ابان بن سعید کو قبول اسلام کی دعوت دی، چنانچہ وہ بھی مسلمان ہو کر مدینہ چلے آئے۔

ایک موقعہ پر حضرت خالد بن سعید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ، ہم نے آپ کے ساتھ بدر کے معرکہ میں حصہ نہیں لیا، آپ نے جواب فرمایا: خالد، تم پسند نہیں کرتے کہ لوگوں کی ایک ہجرت ہو اور تمہاری دو ہجرتیں، حضرت خالد نے کہا: کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا: تمھیں دوہرا اجر ہی ملے گا، ایک بار حضرت خالد آپ سے ملنے آئے تو ان کی بیٹی امہ (ام خالد) ان کے ساتھ تھیں، انھوں نے بیٹی سے کہا: اپنے چچا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور انھیں سلام کرو، ام خالد تب چھوٹی تھیں، وہ بیان کرتی ہیں: ''میں اپنے والد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تو زرد قمیص پہن رکھی تھی، آپ نے فرمایا: 'سنہ، سنہ' (حبشہ کی امہری زبان (amharic) کے اس لفظ کا مطلب ہوتا ہے خوبصورت)، میں پیچھے سے آ کر آپ سے لپٹ گئی اور مہر نبوت سے کھیلنے لگی، میرے والد نے ڈانٹا تو آپ نے ارشاد فرمایا: اسے کھیلنے دو، پھر تین بار فرمایا: اس قمیص کو خوب پہنو، خوب استعمال کرو''۔ [بخاری، رقم ۳۰۷۱]

۹ھ میں بنو علاج کا عمرو بن امیہ عبد یالیل بن عمرو ثقفی کے پاس آیا اور کہا: تمام عرب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مطیع ہو گیا ہے، اب ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے، چنانچہ بنو ثقیف نے باہمی مشاورت کے بعد قبول اسلام کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک وفد بھیجنے کا فیصلہ کیا، ان کے حلیف قبائل کے نمائندے بھی اس میں شامل تھے، ماہ رمضان میں یہ چھ (یا پندرہ) رکنی وفد مدینہ آیا، حضرت ابوبکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی آمد کی اطلاع دی، وہ آپ سے ملے، آپ نے ان کے ٹھہرنے کے لیے ان کی خواہش کے مطابق مسجد نبوی کے ایک کونے میں خیمہ لگوا دیا، ہر روز عشاء کے بعد آپ ان کے پاس آ کر بیٹھتے اور بات چیت کرتے، بنو ثقیف کے لوگ آپ کی بیعت کرنے ساتھ ایک معاہدہ تحریر کرنا چاہتے تھے، جس میں آپ کی طرف سے عائد کردہ شرائط کے علاوہ بنو ثقیف کے لیے پروانۂ امن درج ہو، حضرت خالد بن سعید نے بنو ثقیف کے خیمے اور آپ کے درمیان بھاگ دوڑ کر مذاکرات مکمل کرائے اور جب معاہدہ طے پا گیا تو انھوں نے اسے تحریر بھی کیا، آپ کی طرف سے انھیں کھانا بھیجا جاتا تو وہ پہلے حضرت خالد کو کھلاتے اور پھر خود کھاتے۔

۱۰ھ میں بنو مراد کے فروہ بن مسیک کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مراد، زبید اور مذحج قبائل کا عامل مقرر کیا، تو آپ نے صدقات کی وصولی کے لیے حضرت خالد بن سعید بن عاص کو ان کے ساتھ روانہ فرمایا اور انھیں ایک خط دیا جس میں فرض صدقات کی تفصیل درج تھی، حضرت خالد کی عمل داری نجران، رمع اور زبید کے درمیانی علاقے پر محیط تھی، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک اسی عہدے پر کام کرتے رہے اور وہیں مقیم رہے۔

۱۱ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ مرض وفات میں مبتلا ہوئے، آپ کی بیماری کی خبر سن کر مسیلمہ کذاب نے یمامہ میں اور اسود عنسی نے یمن میں شورش برپا کر دی، اسود اپنی شعبدہ بازی اور سحر بیانی سے لوگوں کی عقل پر پردہ ڈال لیتا تھا، حضرت خالد کے ساتھی عمرو بن معدیکرب مرتد ہو کر اس سے مل گئے، حضرت خالد انھیں روکنے کے لیے گئے تو ان میں باہم جنگ ہوئی، حضرت خالد نے وار کر کے ان کی تلوار کا پرتلا کاٹ دیا جس سے ان کے کاندھے پر بھی چوٹ آئی، وہ دوبارہ حملہ کرنا چاہتے تھے کہ عمرو گھوڑے سے کود کر پہاڑ پر چڑھ گئے، حضرت خالد نے ان کی صمصامہ نامی تلوار اور گھوڑے پر قبضہ کر لیا، آخر کار اسود عنسی نے عمرو بن حزام (یا حرام) او رعامل حضرت خالد بن سعید کو یمن سے نکال باہر کیا اور خود حضرت خالد کے مکان میں برابر جمان ہو گیا، دونوں عامل مدینہ لوٹ آئے تو تمام یمن اسود کے قبضے میں آ گیا، عمرو بن معدیکرب بعد میں گرفتار ہو کر سیدنا ابوبکرؓ کے سامنے پیش ہوئے اور ارتداد سے رجوع کر کے پھر داخل اسلام ہوئے، حضرت خالد بن سعید کا عمرو کی تلوار اور گھوڑا ضبط کرنا ایسا عمل تھا جسے فقہ اسلامی میں خاص اہمیت دی گئی، سقوط ایران کے بعد شاہ خسرو (کسریٰ) کا تاج، زیورات، اور پوشاکیں عامۃ المسلمین کے ملاحظہ کے لیے مدینہ بھیجے گئے تو اسے حضرت خالد بن سعید کے اس عمل کے مشابہ قرار دیا گیا۔

ایک روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چاندی کی انگوٹھی جس پر محمد رسول اللہ نقش تھا، حضرت خالد بن سعید نے ہی آپ کو دی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ایک ماہ بعد حضرت خالد بن سعید یمن سے مدینہ چلے آئے، ان کے بھائی عمرو تیماو خیبر سے اور ابان بحرین سے اپنی ذمہ داری چھوڑ کر آ گئے، سیدنا ابوبکر نے پوچھا: تم کیوں لوٹ آئے ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ عمال سے بہتر کون عامل ہو سکتا ہے۔ اپنے مناصب پر واپس چلے جاؤ، انھوں نے کہا: ہم ابواحیحہ (سعید بن عاص) کی اولاد ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کا عامل نہ بنیں گے۔

حضرت خالد یمن سے آئے تو ریشمی چوغہ پہن رکھا تھا، سیدنا عمر اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما سے ان کی ملاقات ہوئی، حضرت عمر دیکھتے ہی چلائے، اس کا جبہ پھاڑ پھینکو، ریشم پہنے ہوئے ہے، حالانکہ یہ زمانۂ امن میں ہمارے مردوں کے لیے ممنوع ہے، چنانچہ آس پاس کھڑے ہوئے لوگوں نے جبہ پھاڑ اتارا۔ حضرت ابوبکر کی بیعت ہو چکی تھی، لیکن حضرت خالد نے دو ماہ (دوسری روایت: تین ماہ) تک ان کی بیعت نہ کی، وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امارت مجھے دی تھی، پھر اپنی وفات تک معزول نہ فرمایا، حضرت خالد بن سعید حضرت علی اور حضرت عثمان سے ملے اور سوال کیا: اے ابوالحسن (علی)، اے بنی عبد مناف (عثمان)، امر خلافت میں کیا تم مغلوب ہو گئے تھے؟ تم کیسے راضی ہو گئے کہ کوئی اور والی خلافت بن کر تم پر حکومت کرنے لگے؟ حضرت علی نے کہا: تم اسے مغلوب ہونا کہتے ہو یا انتخاب خلافت سمجھتے ہو؟ حضرت ابوبکر نے ان کی بات کو اہمیت نہ دی، لیکن حضرت عمر نے برا مانا اور خوب ڈانٹا، حضرت خالد بن سعید نے بنو ہاشم سے کہا: تم اونچے درختوں اور خوش ذائقہ پھلوں والے لوگ ہو، ہم تمہارے پیرو ہیں، چنانچہ جب سب بنو ہاشم نے حضرت ابوبکر کی بیعت کر لی تو وہ بھی آمادہ ہو گئے، حضرت خالد حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور پوچھا: کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کی بیعت کر لوں؟ انھوں نے جواب دیا: میں چاہتا ہوں کہ آپ اس صلح و سلامتی میں شریک ہو جائیں جس میں باقی اہل اسلام داخل ہو چکے ہیں، حضرت خالد نے کہا: آج شام کا وعدہ ہے، میں آپ کی بیعت کر لوں گا، شام کے وقت حضرت خالد آئے تو ابوبکر منبر پر بیٹھے اور حضرت خالد نے بیعت کی۔

۱۳ھ میں خلیفہ اول نے شام کی طرف فوج بھیجی تو سب سے پہلے حضرت خالد بن سعید کو سالار مقرر کر کے پرچم عطا کیا، وہ پرچم لے کر گھر آ گئے، اسی اثنا میں حضرت عمر نے ان سے کہا: آپ نے حضرت خالد بن سعید کو سالار بنا دیا، حالاں کہ وہ (آپ کی خلافت کے بارے میں) کیا کچھ کہہ چکے ہیں، حضرت ابوبکر نے اسی وقت ابوارویٰ دوسری کو حضرت خالد کے گھر بھیجا، انھوں نے حضرت خالد سے کہا: خلیفۂ رسول اللہ نے حکم دیا ہے کہ ہمارا پرچم واپس کر دیا جائے، حضرت خالد نے پرچم لوٹا کر کہا: واللہ، آپ کے سپہ سالار بنانے نے ہمیں خوش کیا نہ آپ کا معزول کرنا برا لگا، حضرت ام خالد کہتی ہیں کہ پھر حضرت ابوبکر میرے والد سے معذرت کرنے آئے اور ان سے وعدہ لیا کہ حضرت عمر سے کچھ نہ کہیں گے، چنانچہ میرے والد وفات تک حضرت عمر کے لیے دعائے رحمت کرتے رہے، حضرت خالد بن سعید کو ہٹانے کے بعد حضرت ابوبکر نے حضرت یزید بن ابوسفیان کو سات ہزار فوج کا کمانڈر مقرر کیا اور وہی علم ان کے ہاتھ میں دے دیا۔

حضرت خالد بن سعید کے ساتھ میدان جنگ سے بھاگے ہوئے تین ہزار فوجی بعد میں جنگ یرموک میں شریک ہوئے، سیف بن عمر کی روایت کے مطابق جسے طبری اور ابن کثیر نے اختیار کیا ہے، یہ جنگ فتح دمشق سے پہلے ۱۳ھ میں لڑی گئی، طبری

کا کہنا ہے کہ حضرت خالد بن سعید خود بھی اس عظیم معرکہ میں شریک تھے، انھوں نے حضرت خالد بن ولید کے بنائے ہوئے ہزار ہزار سپاہیوں پر مشتمل چالیس (یا چھتیس) دستوں میں سے ایک کی قیادت کی، اس معرکہ میں وہ شدید زخمی ہوئے اور پھر صحت یاب ہوگئے۔

ایک معرکے میں حضرت خالد بن سعید نے ایک مشرک کو جہنم واصل کیا تو اس کے ریشمی کپڑے خود پہن لیے، وہ حضرت عمرو بن عاص کے ساتھ پھر رہے تھے اور لوگ ان کو حیرانی سے دیکھ رہے تھے، حضرت عمرو نے کہا: کیا دیکھ رہے ہو؟ جس کا دل چاہتا ہے، حضرت خالد جیسا کارنامہ کرے، پھر حضرت خالد کی طرح لباس پہن لے۔

ایک روایت کے مطابق حضرت خالد بن سعید مرج الصفر میں رومیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ مرج الصفر کے شہید حضرت خالد بن سعید نہیں، بلکہ ان کے بیٹے حضرت سعید بن خالد تھے، ان کی شہادت جنگ اجنادین میں ہوئی جو ۲۸؍جمادی الاولیٰ ۱۳ھ (۳۰؍جولائی ۶۳۴ء) کو رملہ اور بیت جبرین کے قریب واقع مقام اجنادین پر حضرت ابو عبیدہ بن جراح یا حضرت عمرو بن عاص کی کمان میں رومی بازنطینی فوج سے لڑی گئی، حضرت خالد بن سعید اس میں شریک تھے، ان کے علاوہ ان کے بھائیوں، حضرت عمرو بن سعید اور حضرت ابان بن سعید نے بھی اسی معرکہ میں جام شہادت نوش کیا۔

حارث بن ہشام کی بیٹی ام حکیم حضرت عکرمہ بن ابوجہل کے عقد میں تھیں، حضرت عکرمہ جنگ یرموک (ایک روایت : ۱۳ھ، دوسری روایت: ۱۵ھ) میں شہید ہوئے تو حضرت یزید بن ابوسفیان نے ام حکیم کو زواج کا پیغام بھیجا، لیکن حضرت خالد بن سعید انھیں پہلے پیام نکاح دے چکے تھے، چنانچہ انھوں نے چار سو دینار مہر کے عوض حضرت خالد کے نکاح میں آنا منظور کیا، فوج آگے بڑھ کر مرج الصفر کے مقام پر پہنچی تو حضرت خالد نے ولیمہ کرنا چاہا، حضرت ام حکیم نے کہا: کچھ تاخیر کرلیں، حتی کہ اللہ ان فوجوں کو منتشر کردے۔ حضرت خالد نے کہا: میرا دل کہتا ہے کہ میں دشمن فوج کا مقابلہ کرتے ہوئے مارا جاؤں گا، ام حکیم مان گئیں تو حضرت خالد نے صفر کے مقام پر اس پل کے قریب ام حکیم سے شادی کی جسے بعد میں ام حکیم کا پل کہا جانے لگا، وہیں انھوں نے دوستوں اور ساتھیوں کو ولیمہ کھلایا، ولیمے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ رومی فوج نے لڑائی کے لیے اپنی صفیں باندھ لیں، ایک رومی فوجی تمغے لگا کر مبارزت کے لیے نکلا، حضرت ابوجندل بن سہیل اس کی طرف بڑھے، لیکن حضرت ابوعبیدہ نے منع کر دیا، پھر حضرت حبیب بن مسلمہ آئے اور اسے جہنم کے گھاٹ اتار کر واپس ہوئے، اب حضرت خالد بن سعید نے مبارزت کی اور کچھ دیر دوبدو جنگ کرنے کے بعد شہید ہوگئے، دونوں فوجوں میں شدید لڑائی شروع ہوئی تو حضرت ام حکیم نے کپڑے سمیٹے اور زرہ لے کر جنگ میں شامل ہوگئیں، انھوں نے اس خیمے کی لکڑی اکھاڑی جس میں حضرت خالد بن سعید کے ساتھ ان کی شادی ہوئی تھی، اور اس کے وار کر کے سات رومیوں کو جہنم رسید کیا، اس جنگ میں مسلمانوں نے فتح حاصل کی، حضرت خالد بن سعید کے قاتل کا نام اسلام تھا، اس کا کہنا ہے کہ میں نے انھیں شہید کیا تو دیکھا کہ نور کا ایک منار آسمان کی طرف بلند ہو رہا ہے۔

حضرت خالد بن سعید وجیہ اور خوبصورت تھے، ان کی اہلیہ امینہ (یا ہمینہ) بنت خلف کا تعلق بنو خزاعہ (یا بنو ثقیف) سے تھا، قیام حبشہ کے دوران میں ان کے ہاں سعید اور امۃ کی ولادت ہوئی، سعید بے اولاد رہے، امۃ بنت خالد کا بیاہ حضرت زبیر بن عوام سے ہوا اور عمرو اور خالد نے جنم لیا، حضرت زبیر کے بعد ان کا نکاح حضرت سعید بن عاص سے ہوا، انھوں نے نوے برس کی عمر پائی، ابن سعد کا کہنا ہے کہ اب (ہمارے زمانے میں) حضرت خالد بن سعید کی نسل باقی نہیں رہی۔

حضرت خالد کو کاتبین وحی میں شمار کیا جاتا ہے، حضرت ابی بن کعب اور حضرت زید بن ثابت حاضر نہ ہوتے تو حضرت خالد یا موقع پر موجود کوئی کاتب صحابی وحی تحریر کرتے، حضرت ام خالد بنت خالد کہتی ہیں کہ میرے والد پہلے شخص تھے جنھوں نے 'بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' تحریر کی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد سے یہ مکتوب لکھوایا: ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' یہ وہ قطعۂ زمین ہے جو محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے راشد بن عبدرب (ربہ) سلمٰی کو عطا کیا، آپ نے انھیں (مکہ سے تین میل کی مسافت پر واقع) پہاڑوں میں رہاط کے مقام پر دو تیر کی مار جتنا لمبا (قریباً ڈھائی سو گز) اور ایک تیر کی مار کے برابر چوڑا (قریباً سوا سو گز) قطعہ عنایت کیا ہے، جو ان کا حق لینے کی کوشش کرے، اس کا کوئی حق نہ ہوگا، راشد کا حق ہی درست مانا جائے گا۔''

کیونکہ حضرت خالد بن سعید یمن پر، اور ان کے دوسرے بھائی حضرت ابان بن سعید بحرین پر اور تیسرے بھائی حضرت عمرو بن سعید تیما اور خیبر پر حکمران رہے، اس لیے مشہور ہوگیا تھا کہ شام کے مفتوحہ شہروں میں کوئی ایسا نہ تھا کہ جہاں سعید بن عاص کے بیٹوں میں سے کسی نے وفات نہ پائی ہو۔

☆☆☆☆☆

فلاحِ دارین

حکمت ودانائی کے چند زریں نقوش

انتخاب وترجمہ: جاوید اختر ندوی

☆کبھی یہ نہ سمجھیں کہ ہمارے نفس نے رات دن میں حق تعالیٰ کا کوئی بھی ضروری حق ذرہ برابر بھی کچھ ادا کیا ہے اور یہ جب ہی ہوسکتا ہے جب ہم اپنے نورِ ایمان سے یہ سمجھ لیں کہ ہمارے جتنے بھی کام ہیں شروع سے آخر تک، سب کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، بھلا غور کریں کہ غلام کے پاس جو کچھ مال ودولت ہے سب اس کے آقا کا عطیہ ہوتا ہے۔

اگر وہ اس کو آقا کی خدمت میں پیش کرکے یہ سمجھ لیں کہ میں نے حق ادا کردیا تو اس سے زیادہ بے وقوف دنیا میں کوئی نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو آقا سے بھی زیادہ تعلق ہے، پیدا اس نے کیا، ہوش وحواس، عقل وتمیز، بینائی وشنوائی، ہاتھ، پیر، غذا وغیرہ سب اسی کی دی ہوئی ہے، جن کے سہارے کچھ ٹوٹے پھوٹے اعمال کر لیتے ہیں، پھر حق کس چیز سے ادا کیا ۔

جاں دی ، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

☆اپنے اقوال ،اعمال وافعال میں توحید خالص کا استحضار رہے، مثلاً کبھی یوں نہ کہیں کہ فلاں چیز میری ہے یا جیسے میری مرضی، ہاں مجازاً یا بھولے سے ایسی بات ہوجائے تو مضائقہ نہیں، حق تعالیٰ نے جو یہ فرمایا کہ: "وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئاً" (خدا کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ بناؤ، اس میں اللہ تعالیٰ نے "شیئاً" ارشاد فرمایا، کسی شئ کو متعین نہیں فرمایا۔

حقیقتاً ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ہے، اللہ تعالیٰ نے دنیا کے انتظام کے تحت لوگوں کو اس کا قبضہ دیا ہے، اگر کسی نے آپ کی ملک والی چیز بغیر اجازت کے لے لی یا چوری کرلی تو یہ نہ سوچیں کہ اس نے میری چیز لے لی ،اب میں اس کا مؤاخذہ کرتا ہوں، بلکہ سوچیں کہ اس بادشاہ کے انتظام میں خلل ڈالا ہے، لہٰذا میں قانون شریعت کے وجہ سے اس کا مؤاخذہ کرتا ہوں۔

ایک دفعہ ایک بزرگ نے دعا کی کہ اے اللہ! تونے توحید خالص پر مغفرت کا وعدہ کیا ہے، تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا، لہٰذا میری بخشش فرما، ان کو الہام ہوا کہ وہ وقت یاد کریں، جب آپ کو دودھ پیش کیا گیا تو آپ نے کہا کہ میں نہیں پیتا کہ اس سے مجھے ضرر نہ پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس کلمے پر گرفت فرمائی کہ ضرر پہنچنے کو دودھ سے منسوب کردیا تھا۔

☆اپنے اعمال پر اس لحاظ سے ثواب طلب نہ کریں کہ یہ ہمارے کیے ہوئے کام ہیں، بلکہ صرف خدا کے فضل واحسان پر نظر کرکے ثواب طلب کریں اور اس میں راز یہ ہے کہ جو شخص اپنے نیک اعمال پر اس وجہ سے ثواب طلب کرے گا کہ اس نے خود یہ اعمال کیے ہیں، تو اس کے لیے کچھ بعید نہیں کہ برے اعمال کی سزا دینے کے واسطے بھی ترازوئے اعمال قائم کی جائے، لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ثواب چاہو تو محض اس کے احسان وفضل سے مانگو۔

☆اپنے آپ کو سرداری کیلئے آگے نہ بڑھائیں، کسی بھی امر میں اپنے آپ کو بطور قائد، سردار اور ذمہ دار آگے نہ بڑھائیں، مثلاً مشیخیت، امامت ،امارت اور تدریس وغیرہ میں اپنے بھائیوں کے تابع بننے کی کوشش کریں نہ کہ اس سے سبقت لے جانے کی، مگر اس صورت میں کہ وہ خود ہمیں آگے بڑھائیں یا ہماری پیش قدمی سے دوسروں سے بلا اور مصیبت دور ہوتی ہو یا انہیں نیک کاموں کی رغبت ہوتی ہو تو پھر مضائقہ نہیں، کیونکہ نیک کاموں میں سبقت کرنے کا حکم دیا گیا ہے، سید احمد رفاعیؒ کا قول ہے کہ ہمیشہ دُم بن کر رہو، سر بن کر نہ رہو کیونکہ سب سے پہلے مار ہمیشہ سر پر پڑا کرتی ہے۔

☆کسی منصب یا ذمہ داری کی تمنا نہ کریں اور نہ اپنی طرف سے اس کی کوشش کریں، اللہ تعالیٰ کی مشیت پر نظر رکھیں اور صبر کریں یہاں تک کہ خود ان سے قبول کرنے کی درخواست نہ کی جائے کیونکہ اگر اپنی کوشش سے کوئی منصب حاصل کروگے تو تمہیں اس منصب کے حوالے کردیا جائے گا اور بغیر کوشش کے کوئی ذمہ داری ملے گی تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعانت کی جائے گی۔

☆ہمیشہ یہ اعتقاد پیش نظر رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہماری مصلحتوں کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں، اگر یہ اعتقاد رکھیں گے تو کسی معاملے میں بھی دل میں ناخوشی پیدا نہ ہوگی اور جو شخص اس اعتقاد سے غافل رہے گا وہ ضرور تقدیر سے ناخوش ہوگا، بلکہ بعض اوقات اعتراض کا مرتکب ہوگا۔

اہل علم سے منقول ہے، جو فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جنید بغدادیؒ کو وفات کے بعد دیکھا تو میں نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا معاملہ فرمایا؟ کہنے لگے کہ مجھے بخش دیا اور کسی بات پر عتاب نہیں فرمایا، البتہ ایک بار میری زبان سے اتنی بات نکل گئی تھی کہ اس سال زمین کو بارش کی زیادہ ضرورت ہے، اس پر حق تعالیٰ نے مجھے عتاب فرمایا کہ اے جنید! تم مجھے خبر دینا چاہتے تھے، حالانکہ میں علیم وخبیر ہوں۔

☆ جب ہمارے اوپر دنیا میں کوئی تنگی اور کمی کردی جائے تو اس صورت میں بھی ہم اپنے پروردگار سے ایسے ہی راضی رہیں جیسا کہ فراخی کی صورت میں ہم ان سے خوش رہتے ہیں، بلکہ وسعت کی حالت میں ڈرتے رہنا بھی چاہیے کیونکہ دنیا کا کم ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں عافیت میں رکھنا چاہتے ہیں اور زیادہ ہونے میں اندیشہ ہے کہ ہم اس میں مشغول ہوجائیں اور دفعۃً پکڑے جائیں۔

☆ اپنے دل کو دنیا میں مشغول نہیں کرنا چاہیے حتی الوسع لین دین اور جمع تقسیم کے معاملات سے دل کو فارغ رکھنے کی کوشش کرنا چاہیے، اگر کسی سے کچھ قرض وغیرہ لینا ہو تو زیادہ سختی نہ کریں، نرمی سے دے دے تو ٹھیک ہے ورنہ مطالبہ نہ کریں، یہ سوچ لیں کہ وہ اللہ کا بندہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امتی ہے تو اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کو سوچتے ہوئے اس سے زیادہ تقاضہ نہ کریں۔

☆ دنیا اور اس کی شہوات ولذات کو بے رغبتی کی نگاہ سے دیکھا کریں، رغبت کی نگاہ اس طرف نہ کریں، امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دنیا اس بوسیدہ ہڈی کی طرح ہے جس پر بہت سے کتے چھینا جھپٹی کررہے ہوں، لہٰذا جو بھی دنیا میں رغبت رکھے گا، ضرور نجاست سے آلودہ ہوجائے گا، اور اس کو کتے کاٹیں گے، اور اس پر دانت نکال کر بھونکیں گے، لہٰذا بڑی مصیبت اٹھانا پڑے گی۔

☆ دنیا کی چیز پر مزاحمت نہ کریں، فقراء کو چاہیے کہ دنیا کی کسی چیز پر مزاحمت، جھگڑا اور تکرار نہ کریں کیونکہ دنیا پر جھگڑنے سے دلوں میں دشمنی اور نفوس میں کدورت پیدا ہوتی ہے، جان لیں کہ ہر وہ چیز جو نزاع اور تکرار سے حاصل ہو وہ دنیا ہے، اگرچہ بظاہر وہ دینی چیز محسوس ہوتی ہے، اس لیے کہ جو کام بھی خالص آخرت کے لیے ہوں ان میں جھگڑا اور نزاع نہیں ہوسکتا، اگر نزاع کی نوبت آتی ہے تو سمجھ لیں کہ اس میں دنیا کی آمیزش ضرور ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کی محبت کو دنیا کی تمام محبتوں پر غالب رکھیں، خواہ محبت مال کی ہو یا اولاد کی ہو یا ازواج کی ہو یا اصحاب (دوستوں) کی ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑے غیرت والے ہیں، وہ اپنے مومن بندے کی دل میں کسی غیر کی محبت کو پسند نہیں کرتے، ہاں! جن کی محبت کا خود اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، جیسے انبیاء وملائکہ، علماء، صلحاء، اولیاء، تو ان کی محبت اللہ کے حکم کی بجاآوری کے لیے ہے، صوفیاء کی اصطلاح میں غیر کی محبت سے مراد وہ محبت ہے کہ جو ''وصول الی اللہ'' میں داخل نہیں، تو انبیاء علیہم السلام، اپنے مشائخ اور جملہ اولیاء اللہ سے محبت چونکہ حق تعالیٰ تک پہنچانے والی ہے، اس لیے یہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں شمار ہوتی ہے، ازواج واولاد سے اس قدر محبت جائز اور ضروری ہے جس سے ان کے حقوق ادا کرنے میں آسانی ہو، اس سے زائد محبت جس کی وجہ سے احکام الٰہی میں سستی اور فتور آنے لگے، نقصان دہ ہے، ایک بزرگ فرماتے تھے کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ تمہارے بیوی بچوں کو اس لیے مصیبت میں مبتلا کردیتے ہیں کہ تمہارے دل میں ان کی محبت جم گئی ہوتی ہے۔ (اللہ تعالیٰ اس پر غیرت کھاتے ہیں) اور کبھی ان کی محبت کی وجہ سے خود تمہارے اوپر عتاب فرماتے ہیں۔

☆ جس شخص کی عادت لڑائی جھگڑے کی ہو اس سے مناظرہ نہ کریں، جس شخص میں دیکھیں کہ اس کی طبیعت میں جوش زیادہ ہے اور لڑائی جھگڑے اور مناظرے کرنے کی عادت ہے، اس سے مناظرہ نہ کریں، اور اپنی بات کو دلائل سے منوانے کی کوشش نہ کریں، ایسے شخص کے سامنے جتنی مرضی معقول بات کی جائے، اس کی کوشش ہمیشہ دوسرے کو نیچا دکھانے اور اپنی عقل وفہم کو صائب الرائے ثابت کرنے کی ہوگی۔

ایسے شخص سے بات کرنے سے پہلے کوئی ایسی حکمت عملی اپنائیں کہ اس کا جوش نفس آپ کے لیے نرم ہوچکا ہو، مشائخ کسی کو برے کاموں کا مرتکب دیکھتے ہیں تو اس شخص کو نصیحت کرنے سے پہلے اس کی اچھائیوں کو بیان کرتے اور درمیان میں اس کی خامیوں کو بیان کردیتے اور کہتے کہ ان سے بھی بچ جاتے تو بہت اچھا ہوتا، اس طرح وہ شخص ان برائیوں اور خامیوں سے اجتناب کرنے لگتا۔

☆☆☆☆☆

فقہ وفتاویٰ

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: جب انسان قریب مرگ ہوتو اسے کس طرح لٹایا جائے؟اس بارے میں پوری وضاحت کے ساتھ رہنمائی کریں، کیونکہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ لوگ میت کو اس طرح لٹاتے ہیں کہ پاؤں قبلہ رخ ہوتا ہے، جو خلاف ادب معلوم ہوتا ہے؟

جواب: جب انسان کے انتقال کا وقت قریب ہوجائے تو اسے قبلہ رخ کردینا چاہیے،قبلہ رُخ کرنے کی دو صورتیں ہیں،ایک یہ ہے کہ جیسے سوتے وقت داہنی کروٹ سونا مسنون ہے ،اسی طرح داہنی کروٹ لٹادیا جائے، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ چت لٹادیا جائے اور پاؤں اور چہرہ دونوں قبلہ رخ ہو، چہرہ کو قبلہ رخ کرنے کے لیے سر کے نیچے کچھ رکھ دیا جائے تاکہ سر اونچا ہوجائے اور چہرہ قبلہ کی طرف متوجہ ہو، اس صورت میں پاؤں قبلہ رُخ ہوتا ہے،لیکن اصل مقصود پاؤں کو قبلہ رخ کرنا نہیں ہوتا ہے بلکہ چہرہ کو قبلہ رخ کرنا مقصود ہوتا ہے،اس لیے یہ قبلہ کی بے ادبی نہیں بلکہ قبلہ کی طرف رخ کرنا ایک علامتی عمل ہے،جس سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کا اظہار ہوتا ہے۔

[ردالمختار:ج۳/ص۷۸]

سوال: کیا میت کے قریب قرآن مجید پڑھ سکتے ہیں؟

جواب: میت کو جب تک غسل نہ دیا جائے اس وقت تک وہ ناپاک ہے،اس لیے غسل سے پہلے میت کے قریب قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے،البتہ غسل دینے کے بعد پڑھ سکتے ہیں۔ [کبیری،ص/۵۳۳]

سوال: میت کو رشتہ داروں کے انتظار میں دیر تک رکھتے ہیں، کبھی کبھی ایک دن اور ایک رات کا وقفہ ہوجاتا ہے،ایسا کرنا شرعاً کیسا ہے؟

جواب: کسی کے انتقال کے بعد تدفین میں جلدی کرنا چاہیے ، رشتہ داروں کے انتظار میں زیادہ دیر تک میت کو روکے رکھنا پسندیدہ نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میت کی تدفین میں تاخیر کرنے کو ناپسند فرمایا ہے ، حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ علی! تین چیزوں میں تاخیر نہ کرنا! نماز جب وقت ہوجائے ، جنازہ جب آجائے اور نکاح جب لڑکی کے لیے مناسب رشتہ آجائے۔

[جامع ترمذی/حدیث۱۰۷۵]

سوال: شوہر کے انتقال کے بعد بیوی کا اس کے چہرہ کو دیکھنا یا جسم کو ہاتھ لگانا،اسی طرح بیوی کے انتقال کے بعد شوہر کا اس کے چہرہ کو دیکھنا یا اس کے جسم کو ہاتھ لگانا درست ہے یا نہیں؟

جواب: بیوی کے لیے شوہر کے انتقال کے بعد اس کو دیکھنا اور ہاتھ لگانا جائز ہے اور اگر ضرورت ہو تو غسل دینے کی بھی اجازت ہے کیونکہ شوہر کے انتقال کے بعد جب تک عدت وفات گذر نہ جائے ایک حد تک وہ اس کے نکاح میں رہتی ہے، اس لیے اس کے لیے دیکھنے، چھونے اور بوقت ضرورت غسل دینے کی اجازت ہے،لیکن شوہر کے لیے بیوی کے انتقال کے بعد اس کو غسل دینا اور چھونا جائز نہیں ہے کیونکہ مرنے کے بعد وہ ایک اجنبی عورت کے حکم میں ہوجاتی ہے، البتہ چہرہ دیکھنے کی اجازت ہے ، علامہ حصکفیؒ نے صراحت کی ہے:"یمنع زوجھا من غسلھا ومسھا لا من النظر الیھا علی الأصح" (شوہر کو فوت شدہ بیوی کو غسل دینے اور چھونے سے روک دیا جائے لیکن اصح قول کے مطابق دیکھنے سے منع نہیں کیا جائے گا)۔

[الدرالمختار علیٰ ردالمحتار:ج۱/ص۲۶۸]

سوال: کفن پر کلمہ طیبہ لکھنا کیسا ہے؟ کیا حدیث میں اس کی کوئی فضیلت آئی ہے؟ کیا یہ منع تو نہیں ہے؟

جواب: کفن پر کلمہ طیبہ لکھنا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے،فقہاء نے کفن پر اس کو لکھنے سے منع کیا ہے کیونکہ اس میں کلمہ طیبہ کی بے حرمتی ہوتی ہے، بسا اوقات نعش پھول پھٹ جاتی ہے، جس سے کفن آلودہ اور ناپاک ہوجاتا ہے،اس لیے اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔[ردالمحتار:ج۱/ص۲۶۸]

سوال: کیا مردوں کو سفید کے علاوہ کوئی رنگین کفن دیا جاسکتا ہے؟

جواب: مردوں کو سفید کپڑے کا کفن دینا افضل ہے، ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:"اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ کپڑا سفید کپڑا ہے، جو لوگ زندہ ہیں وہ سفید کپڑے کو اپنا لباس بنائیں اور مردوں کو ایسے ہی کپڑوں میں کفن دیا جائے"۔ [مستدرک حاکم/حدیث۱۳۰۹]اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رنگین کپڑوں کے بجائے سفید کپڑوں میں کفن دیا جائے۔

☆☆☆☆☆

۱۰؍اکتوبر ۲۰۱۷ء

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)

ندوۃ العلماء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

باسمہٖ تعالیٰ

اہل خیر حضرات سے!

خدا کا شکر ہے کہ ہم ان بیش قیمت اصولوں کو سینہ سے لگائے ہوئے ہیں جن کے لیے دارالعلوم قائم کیا گیا تھا یعنی جدید زمانہ میں اسلام کی مؤثر اور صحیح ترجمانی، دین و دنیا کی جامعیت اور علم و روحانیت کے اجتماع کی کوشش، فتنۂ لادینیت اور ذہنی ارتداد کا مقابلہ، اسلام پر اعتماد اور علوم اسلامیہ کی برتری وامتیاز کا اعلان واظہار، دین حق سے وفاداری اور شریعت پر استقامت، ہمارے نزدیک مالیات، بجٹ اور عظیم الشان عمارتوں کے مقابلہ میں ان مذکورہ مقاصد کا حصول زیادہ اہم ہے، مسئلہ کی اس قدر تشریح اور وضاحت کے بعد اب مزید کچھ کہنے کی حاجت نہیں۔

ان گذارشات کے بعد آپ سے ہماری درخواست ہے کہ وقت کی اس ضرورت اور دارالعلوم کی افادیت کو سمجھتے ہوئے پوری فراخدلی، فیاضی اور ہمت سے کام لے کر ان تمام کاموں میں بھرپور تعاون واعانت فرمائیں کہ ہندوستان میں دین کے قلعوں کی حفاظت کی اس سے بہتر کوئی سبیل اور اس سے زیادہ پائیدار کوئی صدقہ جاریہ نہیں، آپ میں سے جو لوگ ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ جشن میں شریک تھے، ان کو یاد ہوگا کہ ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے غیر ملکی معزز عرب مہمانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''یہ سونے کی چڑیاں سب اُڑ جائیں گی، ہم اور آپ یہاں رہیں گے، آپ یہ نہ سمجھیں کہ اب آپ کو چھٹی مل گئی، ہم آپ کو چھوڑنے والے نہیں، ہمارے سفیر آپ کے گھروں پر جائیں گے، آپ کے چار آنے، آٹھ آنے ہم کو عزیز ہیں، یہ جو کچھ دیں گے وہ اس دولت کا ہزارواں حصہ ہوگا جو خدا نے ان کو دیا ہے، اور جو آپ دیں گے وہ آپ کے گاڑھے پسینہ کی کمائی ہوگی۔''

ہندوستان کے مسلمانوں سے خواہ وہ اس طویل وعریض ملک کے کسی علاقہ کے ہوں، ہماری مکرر درخواست ہے کہ وہ اس کام کی اہمیت کو سمجھیں اور اس کو اپنا ہی کام سمجھیں، ہمیں یقین ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات عالی پر پورا بھروسہ ہے کہ ان شاء اللہ ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کی بیش قیمت رہنمائی ونظامت میں اگر احباب ومخلصین نے پوری دلچسپی لی تو ہمارا یہ پیغام نہ صرف ملک کے بلکہ عالم اسلام کے کونے کونے میں پہنچے گا، وماذلك على الله بعزيز.

(مولانا) محمد واضح رشید ندوی	(پروفیسر) اطہر حسین	(مولانا) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	(مولانا) محمد حمزہ حسنی ندوی
معتمد تعلیم ندوۃ العلماء	معتمد مال ندوۃ العلماء	مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء	ناظر عام ندوۃ العلماء

نوٹ: چک/ ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں: **NADWATUL ULAMA**

A/C NO. 10863759711 (عطیات)

A/C NO. 10863759766 (زکوٰۃ) **(State Bank of India Main Branch, Lucknow.)**

اور اس پتہ پر ارسال کریں:

NAZIM NADWATUL ULAMA,
NIZAMAT OFFICE, NADWATUL ULAMA,
TAGORE MARG, LUCKNOW - 226007 (U.P.)

Phone : (91-522) 2741231, 2741316, 2740151, Fax : 2741221
E-mail address : nadwa@sancharnet.in/ website : www.nadwatululam.org.